ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 21 شمارہ 03 اکتوبر 2023ء - ربیع الاول 1445ھ

جلد 21 شمارہ 03

اکتوبر 2023ء - ربیع الاول 1445ھ

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبد السلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد ناصر
مولانا طارق محمود
مولانا محمد ریحان

فی شمارہ.................. 50 روپے
سالانہ.................. 500 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
محمد شرجیل جاوید چوہدری
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
0323-5555686

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 400 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5702840
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com
www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال.....وطنِ عزیز کو درست قیادت کی ضرورت.....مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ آل عمران: قسط43).....موت برحق اور ہر ایک کے

لئے اس کا وقت مقرر ہے.....// // 5

درسِ حدیث ....برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط24)...// // 12

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

علم کا پندار.....مولانا شعیب احمد 16

علم کے مینار:..فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (دسواں حصہ)...مفتی غلام بلال 19

تذکرۂ اولیاء:.....عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی

گورنروں کی تقرری (قسط10).....مولانا محمد ریحان 23

پیارے بچو!.....بری عادت والا لڑکا.....// // 25

بزمِ خواتین ...ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (آٹھواں حصہ)....مفتی طلحہ مدثر 27

آپ کے دینی مسائل کا حل .....تکفیر بازی ومغالطاتِ

سلفی کا جائزہ (قسط12).....ادارہ 34

کیا آپ جانتے ہیں؟...حضرت مدنی اور ''مسح علی الجوربین''...مفتی محمد رضوان 45

عبرت کدہ .....بنی اسرائیل اور ''ذبحِ بقرہ'' کا واقعہ (دوسرا حصہ).....مولانا طارق محمود 54

طب وصحت.....سر کے درد کے اسباب اور علاج.....حکیم مفتی محمد ناصر 58

اخبارِ ادارہ .....ادارہ کے شب وروز.....// // 60

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

وطنِ عزیز کو درست قیادت کی ضرورت

وطنِ عزیز ’’ملکِ پاکستان‘‘ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار قدرتی وسائل اور نعمتوں سے نوازا ہے، اور اس مٹی کو اللہ تعالیٰ نے بہت زرخیز بنایا ہے، جہاں باصلاحیت انسانوں کی بھی کمی نہیں، لیکن ہماری شامتِ اعمال کی وجہ سے اس ملک کو صحیح قیادت بہت کم میسر آئی، اور اگر کبھی درست قیادت میسر بھی آئی، تو مفاد پرستوں کی طرف سے اس کو کام نہیں کرنے دیا گیا، اور طرح طرح سے رکاوٹیں پیدا کرکے اس کا راستہ روکا گیا، جس کی بناء پر وطنِ عزیز ترقی نہیں کرسکا، اور مسلسل تنزلی اور گراوٹ کا شکار رہا، جس میں ہمارے یہاں کی سیاسی، فوجی اور عدالتی قیادتوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے، جن کی جانب سے طاقت اور فیصلوں کا استعمال ونفاذ ایسے طریقوں پر ہوتا رہا، جو وطنِ عزیز کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے۔

گزشتہ کچھ عرصہ سے فوجی قیادت کی کمان جب سے ’’جنرل حافظ عاصم منیر صاحب‘‘ کے ہاتھ میں آئی ہے، اس کے بعد آہستہ آہستہ اس شعبہ میں بہترائی پائی جاتی ہوئی نظر آئی، بطورِ خاص ذخیرہ اندوزوں، بھتہ خوروں اور مافیاز کے خلاف گزشتہ دنوں سے جو بلاتفریق کریک ڈاؤن شروع ہوا ہے، اس سے امید کی ایک کرن نظر آنا شروع ہوگئی ہے، اگر یہ کام تسلسل، اخلاص وہمت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا، تو امید ہے کہ وطنِ عزیز کے حالات میں غیر معمولی بہترائی آئے گی۔

دوسری طرف عدلیہ کی اعلیٰ قیادت کی کمان جب سے جسٹس جناب قاضی فائز عیسیٰ صاحب کے ہاتھ میں آئی، اسی دن سے اس شعبہ میں بھی غیر معمولی تبدیلی اور بہتری کے خوشگوار جھونکے آنا شروع ہوگئے ہیں، اور ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ ’’ہر کمال را، زوال‘‘ والا وقت آن پہنچا ہے، جب وطنِ عزیز کے ان شعبوں میں منصفانہ وعادلانہ نظام کا جنازہ نکلنے لگا تھا، اور فساد وبگاڑ اپنے کمال کو جا پہنچا تھا، تو ایسے میں یکلخت بہترائی پیدا ہونے سے کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آئندہ سیاسی شعبہ میں بھی وطنِ عزیز کے لیے بہتر قیادت میسر آئے گی، اگر انتخابات کے موقع پر قوم نے اپنی ذمہ داری کو صحیح نبھایا، اور ہر ادارہ، اور مذہبی وغیر مذہبی ذمہ دارانِ قوم نے اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مل جل کر ''دامے، درھمے، سخنے'' ملک کے لیے جذبہ، اخلاص اور ہمتِ مرداں اور باہمی رواداری کے ساتھ کام کیا، تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تاریکی کے بادل چھٹیں گے، اور ملک میں ترقی اور خوشحالی دیکھنے کو ملے گی۔

امام کا قبلہ ونماز درست ہو، تو مقتدیوں کے لیے کام آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ آمین۔

(زیرِ طبع، صفحات:900)

تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی

کا تحقیقی جائزہ

(حصہ اول)

قرآن وسنت، وجمہور سلف کی عبارات، وتصریحات، اور اصولِ تکفیر کی روشنی میں

''تکفیر بازی'' اور اس میں ''تشدد وتعصب پرستی'' سے متعلق عبدالجبار سلفی صاحب

کی طرف سے، ادارہ غفران کے ایک فتوے ومضمون پر مجلّہ حق چار یار میں شائع

کردہ معاندانہ ومتشددانہ اعتراضات ومغالطات، اور الزامات واتہامات کا جائزہ

مذکورہ غیر شعوری منصفانہ تجزیہ کی علمی حقیقت وحیثیت

اور جملہ اھلُ السنة والجماعة سے الگ تھلگ موقف

اور اھلُ الفرقة کے مشابہ ومترادف منہج پر علمی وتحقیقی کلام

(علمی وتحقیقی رسائل کی جلد18، پر ماہنامہ ''حق چار یار'' میں شائع شدہ10 اقساط کا تحقیقی وتفصیلی جواب)

مؤلف: مفتی محمد رضوان

مطبوعہ: ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط43، آیت نمبر143 تا145) مفتی محمد رضوان

موت برحق اور ہر ایک کے لئے اس کا وقت مقرر ہے

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (143) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (144)وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ سَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ (145)(سورہ آلِ عمران)

ترجمہ: اور بلا شبہ یقیناً تم تمنا کرتے تھے موت کی، اس سے پہلے کہ ملاقات کرو تم اس (موت) سے، پس یقیناً دیکھ لیا تم نے اس (موت) کو، اس حال میں کہ تم دیکھ رہے ہو(143)اور نہیں ہے ''محمد'' مگر ایک رسول، یقیناً گزر چکے ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول، کیا پس اگر مر جائیں وہ، یا قتل کر دیا جائے ان کو، پھر جاؤ گے تم اپنی ایڑیوں پر، اور جو پھر جائے اپنی ایڑیوں پر، تو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکے گا وہ، اللہ کو کچھ بھی، اور عنقریب جزاء دے گا اللہ شکر کرنے والوں کو(144)اور نہیں ہے کسی جان کے لئے کہ مرے وہ، مگر اللہ کے اذن سے، لکھا ہوا ہے مقررہ وقت، اور جو چاہے گا دنیا کے ثواب کو، تو دیدیں گے ہم اس کو اس میں سے، اور جو چاہے گا آخرت کے ثواب کو، تو دے دیں گے ہم اس کو اس میں سے، اور عنقریب جزاء دیں گے ہم شکر کرنے والوں کو(145)

تفسیر وتشریح

مذکورہ آیات بھی گذشتہ مضمون کا تسلسل ہیں، جن میں ''موت'' کے برحق اور اس کا ہر جاندار کے لئے وقت مقرر ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے، جس کے ضمن میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت

کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ"

''اور بلاشبہ یقیناً تم تمنا کرتے تھے موت کی، اس سے پہلے کہ ملاقات کرو تم اس (موت) سے، پس یقیناً دیکھ لیا تم نے اس (موت) کو، اس حال میں کہ تم دیکھ رہے ہو''

مطلب یہ ہے کہ قتال کا مخصوص موقع آنے سے پہلے تم جہاد وقتال میں شہادت کا مرتبہ پانے کی تمنا کیا کرتے تھے، اور شہادت کا تم نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کر لیا تھا، پھر جب غزوۂ احد میں شہادت حاصل ہونے کا تمہارے سامنے واقعہ پیش آیا، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سننے کو ملی، تو اس سے تم گھبراہٹ و بے چینی میں مبتلا ہو گئے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، انسان کی اصل آزمائش عمل کے موقع پر ہی ہوتی ہے۔

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر کچھ لوگ غیر حاضر ہو گئے تھے، پھر ان کو غزوۂ بدر پر حاصل ہونے والے جیسے اجر وثواب کو پانے کی تمنا ہوئی، پھر جب غزوۂ احد کا موقع آیا، تو مذکورہ تمنا کرنے والے بعض لوگ بھی غیر حاضر ہوے، جس پر اللہ نے یہ آیت:

"وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ"

نازل فرما کر تنبیہ فرمائی (تفسیر مجاہد، رقم الروایۃ ۱۹۴)

ہر جاندار کے لئے موت برحق اور اس کا وقت مقرر ہے، جس سے کسی کو راہِ فرار ممکن نہیں، اس لئے شرعی جہاد وقتال وغیرہ کے موقع پر موت سے ڈر کر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی درست نہیں، قرآن مجید میں جا بجا موت کے برحق اور اس کا وقت مقرر ہونے کا مختلف طریقوں سے ذکر آیا ہے۔

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (سورۃ الاحزاب، رقم الآیۃ ۱۶)

ترجمہ: کہہ دیجئے آپ کہ ہرگز نفع نہیں پہنچائے گا تم کو بھاگنا، اگر بھاگو گے تم موت، یا قتل سے، اور ایسی صورت میں نہیں فائدہ اٹھا سکو گے تم مگر بہت تھوڑا (سورہ احزاب)

اورسورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۃ الجمعۃ،رقم الآیۃ۸)

ترجمہ: کہہ دیجیے آپ کہ بے شک وہ موت کہ بھاگتے ہوتم اس سے،پس بلا شبہ وہ ملاقات کرنے والی ہےتم سے،پھرلوٹایاجائے گاتم کو’’عالم الغیب والشھادۃ ‘‘ کی طرف،پھرخبردارکرے گا وہ تم کو،ان کاموں سے جوکیا کرتے تھےتم(سورہ جمعہ)

اس کے بعد مذکورہ آیات میں سے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

’’وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْـًٔا وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیْنَ‘‘

’’اورنہیں ہے’’محمدؐ‘‘ مگرایک رسول،یقیناً گزر چکے ہیں،ان سے پہلے بہت رسول،کیا پس اگرمر جائیں وہ،یاقتل کردیا جائے ان کو،پھر جاؤ گےتم اپنی ایڑیوں پر،اور جو پھر جائے اپنی ایڑیوں پر،تو ہرگز ضررنہیں پہنچا سکے گا وہ ،اللہ کوکچھ بھی،اورعنقریب جزاء دے گااللہ شکرکرنے والوں کو‘‘

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ محمدصلی اللہ علیہ وسلم،اللہ کےرسول ہیں،اورآپ سے پہلے اللہ کے بہت سے رسول گذر چکے ہیں،جن پرموت واقع ہوئی،محمدصلی اللہ علیہ وسلم پربھی اگر موت واقع ہوگئی،یا وہ شہید کردیے گئے،اورتم کواس کی خبرملی،جیسا کہ غزوۂ احد میں یہ خبر پھیل گئی تھی،جس سےبعض مسلمانوں کےقدم ڈگمگانے لگے تھے،تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان رکھنے والے ایمان سے پھر جائیں گے،اوراگر بالفرض کوئی ایسا کرے گا،تو وہ اپنے ہی ایمان کا نقصان کرے گا،اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرسکتا،اوراللہ کی بات ماننے اوراس کا شکر کرنے والوں کواللہ بہترین جزاءعطاءفرمائے گا۔

قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت،اوروفات کا ذکر ہے۔

چنانچہ سورہ رعد میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ:

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (سورة الرعد،رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: اور اگر یقینی طور پر دکھادیں ہم آپ کو، بعض وہ چیز، جس کا وعدہ کرتے ہیں ہم اُن (لوگوں) سے، یا یقینی طور پر وفات دے دیں ہم آپ کو، تو بس آپ کے ذمہ پہنچادینا ہے، اور ہمارے ذمہ حساب ہے (سورہ رعد)

اور سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (سورة الأنبياء، رقم الآية ۳۴)

ترجمہ: اور نہیں کیا ہم نے کسی انسان کے لیے آپ سے پہلے ہمیشہ رہنا، تو کیا اگر مر جائیں آپ، تو وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ (سورہ انبیاء)

اور سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ. ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (سورة الزمر، رقم الآية ۳۰)

ترجمہ: بے شک آپ (بھی) مرنے والے ہیں، اور بے شک وہ (بھی) مرنے والے ہیں، پھر بے شک تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس، خصومت کرو گے (سورہ زمر)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض کیا گیا، تو اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے کسی حصہ میں تھے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوے، اور اپنے منہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر رکھا، اور اس کو بوسہ دے کر یہ کہنا شروع کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے پاکیزہ زندگی گذاری اور آپ نے پاکیزہ حالت میں وفات پائی، پھر جب حضرت ابوبکر وہاں سے باہر نکلے، تو حضرت عمر کے پاس سے گذرے، اور حضرت عمر یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع نہیں ہوئی، اور آپ کی موت اس وقت تک واقع نہیں ہوگی، جب تک کہ آپ منافقوں کو قتل نہیں فرمادیں گے، اور منافقین، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی موت سے خوش ہوا کرتے تھے، اور وہ اپنے سروں کو اونچا کرلیا کرتے تھے، تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے قریب پہنچ کر فرمایا کہ اے شخص اپنے اوپر رحم کیجئے، پس بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہوچکی ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُونَ'' اور ''وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَھُمُ الْخَالِدُون '' پھر ابوبکر منبر پر تشریف لائے اور اللہ کی حمد وثناء بیان کی، پھر فرمایا کہ اے لوگو: اگر محمد تمہارے الٰہ تھے، جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے، تو تمہارے اس معبود کی تو موت واقع ہوچکی، اور اگر تمہارا الٰہ وہ تھا جو آسمان میں ہے، تو وہ زندہ ہے، وہ فوت نہیں ہوگا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سورہ آلِ عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ: ''وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ'' پوری آیت ختم تک تلاوت کی، پھر منبر سے نیچے تشریف لائے، اور اس (حضرت ابوبکر کی تقریر) کی وجہ سے تمام مومن خوش ہوگئے، اور ان کی فرحت میں شدت آ گئی، اور منافقین کا غم سے برا حال ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ہمارے چہروں پر گویا کہ (صدمہ کی وجہ سے) پردہ پڑا ہوا تھا، جو (اس تقریر کے بعد) ہٹ گیا'' (مسند البزار، رقم الحدیث ۵۹۹۱)

اس طرح کی احادیث، صحیح بخاری، اور دوسری احادیث کی کتابوں میں بھی مروی ہیں۔

ہم افسوس کے ساتھ یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ آج بھی ایسے کم علم مسلمان موجود ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ''موت واقع ہونے'' اور ''روح قبض کئے جانے'' اور ''وفات دیے جانے'' کے الفاظ کے استعمال کو برا سمجھتے ہیں، اور زبان سے ان الفاظ کے استعمال کرنے کو بے ادبی تصور کرتے ہیں، اور اس کے بجائے ''پردہ فرما لینے'' وغیرہ کے الفاظ کے استعمال پر زور دیتے ہیں۔

ان لوگوں کو قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات، اور معتبر احادیث کو بغور ملاحظہ کرنا چاہیے، جن میں وہی الفاظ استعمال ہوے ہیں، جن کو یہ لوگ بے ادبی تصور کرتے ہیں، اگر ان الفاظ کا استعمال بے ادبی ہوتا، تو ان الفاظ کو قرآن وسنت میں استعمال کر کے قیامت تک کس طرح باقی رکھا جاتا۔

البتہ اس میں شک نہیں کہ دنیا کی موت، اور وفات، یا روح قبض کئے جانے کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کو جو ''برزخی حیات'' عطاء کی جاتی ہے، وہ تمام دوسرے انسانوں سے بہت اعلیٰ وارفع ہے، جس کا ایک اثر یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام کو مٹی نہیں کھاتی، اور ان میں تغیر پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کے اجسام مبارک تروتازہ رہتے ہیں۔

پھر اس کے بعد مذکورہ آیات میں سے تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ سَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ''

''اور نہیں ہے کسی جان کے لئے کہ مرے وہ، مگر اللہ کے اذن سے، لکھا ہوا ہے مقررہ وقت، اور جو چاہے گا دنیا کے ثواب کو، تو دیدیں گے ہم اس کو اس میں سے، اور جو چاہے گا آخرت کے ثواب کو، تو دے دیں گے ہم اس کو اس میں سے، اور عنقریب جزاء دیں گے ہم شکر کرنے والوں کو''۔

مطلب یہ ہے کہ کسی جاندار کو خود سے اللہ کے حکم کے بغیر مرنے کا اختیار نہیں، خواہ وہ جانور ہو، یا انسان ہو، اللہ کی طرف سے ہر جاندار کی موت کا وقت مقرر اور طے شدہ ہے، اور جو شخص دنیا کے بدلہ کو چاہتا ہے، اس کو اللہ دنیا کے بدلہ میں سے اس کا حصہ عطاء فرماتا ہے، اور جو شخص آخرت کے بدلہ کو چاہتا ہے، اس کو اللہ آخرت کے بدلہ میں سے اس کا حصہ عطاء فرماتا ہے، کیونکہ اللہ کے پاس ہی دنیا وآخرت کا حقیقی بدلہ ہے۔

اور اس بات پر ہر مومن کا ایمان ہے کہ آخرت کا بدلہ اور آخرت کا اجر وثواب زیادہ بہتر، پائیدار اور خیر والا ہے، دنیا کے بدلہ کے مقابلہ میں، پھر اگر دنیا کا وہ بدلہ شرعی اعتبار سے آخرت کے لئے مضر ہو، تو اس سے آخرت کا اجر وثواب ضائع ہو کر گناہ کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ان چیزوں کی وضاحت موجود ہے۔

سورہ اسراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا. وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا(سورۃالإسراء،رقم الآیۃ ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: جوشخص ارادہ کرتا ہے،جلدی (یعنی دنیا) کا تو جلدی دے دیتے ہیں ہم اس کو اس (عاجلہ ودنیا) میں جو چاہتے ہیں ہم اس کے لئے جس کا ارادہ کرتے ہیں ہم، پھر کردیتے ہیں ہم اس کے لئے جہنم کو، پہنچے گا وہ اس میں ذلیل وخوار ہوکر،،اور جوشخص ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور سعی کرتا ہے وہ اس کے لئے،اس کی سعی،اور وہ مومن بھی ہو،تو یہی لوگ ہیں کہ ہوگی ان کی سعی قابلِ شکر(سورہ اسراء)

اورسورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ کَانَ یُرِیدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِیْ حَرْثِهٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِی الْآخِرَةِ مِنْ نَصِیْبٍ(سورۃالشوری،رقم الآیۃ۲۰)

ترجمہ: جوشخص ارادہ کرتا ہے آخرت کی کھیتی کا،زیادہ کرتے ہیں ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں،اور جوشخص ارادہ کرتا ہے دنیا کی کھیتی کا،دیدیتے ہیں ہم اس کو اس میں سے،اورنہیں ہے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ(سورہ شوریٰ)

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط24)

علامہ انور شاہ کشمیری کا حوالہ

مشائخِ دیوبند کی عظیم علمی شخصیت علامہ انور شاہ کشمیری (المتوفیٰ:1353ھ) ''صحیح البخاری'' کی شرح ''فیضُ الباری'' میں فرماتے ہیں کہ:

ففی سورة یس :(من بعثنا من مرقدنا) وهذا یدل علی أنه لا إحساس فی القبر وکلهم نائمون .وفی آیة أخری (النار یعرضون علیها غدوا وعشیا)فهذه تدل بخلافه، والوجه فیه عندی :أن حال البرزخ تختلف علی حسب اختلاف عمل العاملین فی حیاتهم، فمنهم نائمون فی قبورهم، ومنهم متلذذون فیه، وإنما عبرت الحیاة البرزخیة بالنوم لأنه لم یکن له لفظ فی لغة العرب یؤدی مؤداه، ویصرح عن معناه وضعاء، فاختیر اللفظ الموضوع لنظیره تفهیما، فلا شیء أشبه بالحیاة البرزخیة من النوم .ولذا جاء فی الحدیث النوم أخ الموت فالنوم أشبه الأشیاء بالموت، ولذا أدخل القرآن النوم والموت تحت لفظ واحد وهو التوفی، ثم فرق بینهما فدل علی أن فیهما بعض اشتراک وبعض امتیاز قال الله تعالی :(الله یتوفی الأنفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الأخری) (الزمر42 :) إلخ)، والحاصل أن البرزخ اسم لانقطاع حیاة هذا العالم وابتداء حیاة أخری وکذلک النوم فیه أیضا نوع انقطاع عن هذا العالم (فیض الباری علی صحیح البخاری، ج ۱ ،ص ۲۶۸ ،باب من أجاب الفتیا بإشارة الید والرأس)

ترجمہ: پس سورہ یٰس میں ہے کہ ''من بعثنا من مرقدنا'' یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قبر میں کوئی احساس نہیں ہوتا، اور مُردے سب سوئے ہوتے ہیں، اور دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ ''النار یعرضون علیها غدوا وعشیا'' (سورہ غافر) اور یہ آیت اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوئے ہوئے نہیں ہوتے، بلکہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں) اور میرے نزدیک راجح

یہ ہے کہ برزخ کی حالت، زندگی میں عمل کرنے والے لوگوں کے عمل کے مختلف ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، پس بعض لوگ تو اپنی قبروں میں سوتے ہیں، اور بعض لوگ اپنی قبروں میں لذت حاصل کرتے ہیں (جبکہ بعض لوگوں کو ان کی زندگی کے اعمالِ بد کی وجہ سے مختلف طرح کے عذاب دیئے جاتے ہیں)

اور برزخی حیات کو جو نیند سے تعبیر کیا گیا ہے، تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عربی لغت میں کوئی لفظ ایسا نہیں تھا، جو اس کی صحیح ترجمانی کر پاتا، اور اس کے قائم مقام معنیٰ کی تصریح کر پاتا، اس لئے اس کی نظیر کے لئے وضع کردہ لفظ کو افہام وتفہیم کے لئے اختیار کر لیا گیا، پس کوئی چیز بھی نیند کے مقابلہ میں حیاتِ برزخی کے زیادہ مشابہ نہیں، اور اسی وجہ سے حدیث میں نیند کو موت کی بہن سے تعبیر کیا گیا ہے، پس نیند تمام اشیاء میں موت کے زیادہ مشابہ ہے، اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں نیند اور موت کو ایک ہی لفظ کے تحت داخل کیا گیا ہے، اور وہ لفظ ''وفات'' ہے، پھر ان دونوں کے درمیان فرق کر دیا گیا، جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان دونوں کے درمیان جزوی اشتراک اور جزوی امتیاز موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا (سورہ زمر میں) ارشاد ہے کہ ''**اللّٰہ یتوفی الأنفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الأخری**'' اور خلاصہ یہ ہے کہ برزخ نام ہے، اس عالمِ دنیا سے حیات منقطع ہونے، اور دوسری حیات شروع ہونے کا، اور اسی طرح سے نیند میں بھی اس عالم سے ایک طرح کا انقطاع ہو جاتا ہے (فیض الباری)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کے فوت ہونے کے بعد ''بشمول شہداء وانبیاء کے'' عالمِ برزخ اور قبر میں ہر انسان کے عمل اور درجہ ومرتبہ کے اعتبار سے حالات پیش آتے ہیں، اور برزخ وقبر میں پیش آنے والے حالات کے سب سے زیادہ مشابہ اور قریبی نظیر ومثال سونے والے کی ہے، اور نیند اور موت کے درمیان، بعض چیزیں ایک دوسرے کے درمیان مشترک ہیں، اور بعض ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

چنانچہ نیند میں احوال، روح کو پیش آتے ہیں، اور روح کا اس وقت بھی جسم سے تعلق ہوتا ہے۔
اور سویا ہوا شخص، نہ تو پوری طرح مُردہ ہوتا، اور نہ ہی پوری طرح زندہ ہوتا ہے۔
برزخ وقبر کے حالات کی تعبیر کرتے وقت بھی، کسی وقت بعض حضرات کسی ایک جہت کو، اور بعض اوقات کسی دوسری جہت کو حسبِ موقع بیان کر دیتے ہیں، اور دوسری جہت سے تعرض نہیں کرتے، جس کی وجہ سے ظاہر بین لوگ ان کی عبارات کے درمیان حقیقی تعارض سمجھ بیٹھتے ہیں، اور اختلاف دراختلاف ہوتے ہوتے، بات بہت دور نکل جاتی ہے۔
پس فوت شدہ شہداء وانبیاء وغیرہ کے متعلق بعض نصوص کے الفاظ سے ان کی برزخی زندگی کی نفی کرنا، درست نہیں۔ان کی برزخی زندگی، دنیا کی زندگی سے کہیں اعلٰی أتم و أكمل ہے، اور ''چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک'' والی بات ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری کا دوسرا حوالہ

علامہ انور شاہ کشمیری ''سننُ الترمذی'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

عذاب القبر ثبت متواترا، متواتر القدر المشترک، وقال به أهل السنة والجماعة قاطبة، ومنكر التواتر هذا لا ريب فی تبديعه، ومنكر التواتر بالقدر المشترک كافر إن كان التواتر بديهيا، وفاسق مبتدع إن كان نظريا، ونسب إلى المعتزلة أنهم ينكرون عذاب القبر، ويرد عليه أن المعتزلة المختار عدم إكفارهم، وإذا كانوا أنكروا عذاب القبر فكيف يكونوا أهل القبلة؟ أقول :يقال أولا :لعل التواتر نظری، وثانيا :أنه لم ينكر أحد منهم إلا ضرار بن عمرو وبشر المريسی، وإنی فی هذا أيضا متردد ما لم ير عبارتهما.ثم لأهل السنة قولان؛ قيل :إن العذاب للروح فقط، وقيل :للروح والجسد والمشهور الثانی، اختاره أكثر شارحی الهداية وهو المختار، وإن صار البدن ذرة ذرة فی الدنيا فإن الشعور لكل شیء عند جمهور الأمة(العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ج۲،ص ۳۴۹،کتاب الجنائز،باب ما جاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: عذابِ قبر، تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور اس کا تواتر ''قدرِ مشترک'' والا ہے، جس کے تمام اہل السنۃ والجماعۃ قائل ہیں، اور اس تواتر کا انکار کرنے والے کے بدعتی ہونے میں شک نہیں، اور ''قدرِ مشترک'' کے ساتھ ثابت شدہ، تواتر کا منکر، اس صورت میں کافر ہوتا ہے، جبکہ یہ تواتر ''بدیہی'' ہو، اور اگر قدرِ مشترک تواتر سے ثابت شدہ حکم

''نظری'' ہو،تو پھر وہ فاسق بدعتی ہے،اور معتزلہ کی طرف اس بات کی نسبت کی گئی ہے کہ وہ عذابِ قبر کے منکر ہیں،لیکن اس کی تردید،اس بات سے ہوتی ہے کہ معتزلہ فرقہ کے بارے میں،راجح قول یہ ہے کہ وہ کافر نہیں،اور جب وہ عذاب قبر کے منکِر ہوں گے،تو پھر وہ اہلِ قبلہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ میں اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ کہتا ہوں کہ غالباً یہ تواتر ''نظری'' ہے(اور''تواترِ نظری'' کا منکر کافر نہیں کہلاتا)اور دوسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ معتزلہ میں سے،سوائے''ضرار بن عمرو''اور بشر مریسی'' کے،کسی نے عذابِ قبر کا انکار نہیں کیا،لیکن مجھے اس بارے میں تردد ہے، جب تک کہ ان دونوں حضرات کی عبارت کو نہ دیکھ لیا جائے۔

پھر اہلُ السنۃ کے دو قول ہیں،ایک قول یہ ہے کہ عذابِ قبر صرف ''روح'' کو ہوتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ''روح''اور''جسم'' دونوں کو ہوتا ہے،اسی دوسرے قول کو''ہدایۃ'' کے اکثر شارحین نے اختیار کیا ہے،اور یہی مختار وراجح قول ہے،اگر چہ بدن،دنیا میں ٹکڑے ٹکڑے اور ذرہ ذرہ ہو جائے (تب بھی عذابِ قبر،روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے) کیونکہ جمہور امت کے نزدیک،ہر چیز کو شعور حاصل ہوتا ہے(العرف الشذی)

معتزلہ کے قول کے بارے میں، پیچھے دیگر حضرات کی عبارات کے ذیل میں وضاحت گزر چکی ہے، جس سے معلوم ہو چکا کہ تمام معتزلہ عذابِ قبر کے منکر نہیں۔

بہر حال مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ اہلُ السنۃ کے نزدیک عذابِ قبر،برحق ہے،اور بعض حضرات صرف روح پر عذاب کے قائل ہیں،لیکن اکثر وجمہور اہلُ السنۃ کے نزدیک روح کے ساتھ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے، پھر بعض اس کی تعبیر روح اور جسم کو عذاب ہونے،اور بعض روح پر اصل عذاب ہونے،اور جسم تک سرایت کرنے سے،اور بعض برزخ وقبر میں روح وجسم کی حیات سے تعبیر کر دیتے ہیں،اور بعض حضرات جسم کے کل اجزاء،اور دوسرے بعض حضرات بعض اجزاء سے روح کے تعلق کا قول کرتے ہیں،لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی حقیقی ٹکراؤ نہیں،تعبیرات کا اختلاف ہے،اور روح کے ساتھ فی الجملہ جسم وبدن کو عذاب ہونے پر اکثر اور جمہور امت کا اتفاق ہے۔

(جاری ہے.....)

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین

مولانا شعیب احمد

علم کا پندار

اپنے پچھلے مضمون میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ علمِ حقیقی کا ثمرہ خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی ہوتا ہے۔ لیکن علم کے نتیجے میں جب خشیتِ الٰہی اور خوفِ خدا پیدا نہ ہو تو پھر عموماً دل میں تکبر جنم لے لیتا ہے۔ تکبر کی بہت سی اقسام میں سے ایک قسم ''علم کا تکبر'' بھی ہے جس کی طرف کم ہی لوگوں کی نگاہ جاتی ہے۔ علم کے تکبر کو عجب اور خود پسندی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس علمی تکبر کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے سے کم علم رکھنے والے افراد کو حقیر خیال کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ بعض اہلِ علم و محققین اپنے علمی کاموں اور تحقیقی کارناموں کے سبب انانیت اور خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور انہیں اپنے علم و تحقیق پر اس قدر فخر ہوتا ہے کہ وہ دیگر اکابرین، اہلِ علم و اہلِ مدرسہ کو کسی خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے، بلکہ بعض اوقات تو وہ بڑے بڑے شیوخُ الحدیث اور کبار مفتیان پر بھی بے جا تنقید اور طنزیہ چوٹ کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، وہ اپنے تئیں گمان کر بیٹھتے ہیں کہ کرنے کا اصل کام تو وہی ہے جو ہم کر رہے ہیں، باقی علماء تو کسی کام کے نہیں۔ آج بھی بعض اچھا خاصا علم رکھنے والے افراد اس سوچ میں مبتلا ہیں۔ خدا ایسی متکبرانہ سوچ اور تحقیرانہ فکر سے ہمیں محفوظ رکھے۔

ایسے افراد گویا علم و تحقیق کو بلندیٔ درجات اور اپنی بڑائی کا سبب سمجھ لیتے ہیں، اور وہ حقیقت فراموش کر بیٹھتے ہیں جو اللہ بیان کرتا ہے کہ:

''نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ'' (سورۃ یوسف، رقم الآیۃ: ۷۶)

''ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں، اور ہر صاحبِ علم پر کوئی اور علم والا (بھی فوقیت رکھتا) ہے'' (یوسف)

یعنی علم و تحقیق کے لحاظ سے علماء کے مختلف درجات ہیں، کوئی عالم خواہ کتنا ہی بڑا مفتی، محقق اور مجتہد بن جائے اس سے بڑا عالم بھی دنیا میں کوئی نہ کوئی موجود ہوتا ہے اور درجات کی بلندی کا یہ سلسلہ اللہ

تبارک وتعالیٰ کی ذات پر جا کر اختتام پذیر ہو جاتا ہے جو کائنات میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے علم پہ نازاں نہ ہو اور نہ ہی اس فریب میں مبتلا رہے کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا محقق ہوں، مجھ سے بڑا مفتی اور مجتہد کوئی نہیں اور زمانے میں میرے کام جیسا کارِ خیر اور دین کی خدمت کوئی بھی نہیں کر رہا۔

یہ ایک عجیب آفت ہے اس زمانے کی کہ جس شخص سے بھی اللہ جل جلالہٗ دین کے کسی ایک خاص شعبہ میں کوئی کام لے رہے ہوں تو عموماً وہ سمجھتا ہے کہ سب سے بڑا فرض اور دین کی سب سے بڑی خدمت تو میں ہی سرانجام دے رہا ہوں اور دین کے دیگر شعبوں میں کام کرنے والے افراد کی صراحتاً، کنایتاً یا اشارتاً تحقیر اور نفی کرنا لازم سمجھتا ہے۔ جبکہ دوسروں کی حقارت پر مبنی یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام میں دوسروں کو حقیر سمجھنے سے منع کیا گیا ہے اور دوسروں کے متعلق تحقیری سوچ رکھنے کی شدید الفاظ میں مذمت فرمائی گئی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ" (صحيح مسلم ، رقم الحديث : ٣٢ "٢٥٦٤" كتاب البر والصلة والآداب ، باب تحريم ظلم المسلم)

"آدمی کے برا (اور گناہگار) ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر خیال کرے" (مسلم)

لیکن آج دنیادار لوگوں کو تو چھوڑ یئے، بعض علم رکھنے والے افراد بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو نظر انداز کیے بیٹھے ہیں اور اپنے ہم پیشہ دوسرے علماء ومفتیان کے متعلق یہ تحقیری سوچ رکھے ہوئے ہیں کہ وہ تو کسی کام کے نہیں، انہیں دین ودنیا کا کچھ پتا ہی نہیں اور جو ہمارے مزاج کے خلاف دین کا کام کر رہے ہیں ان کی دینی خدمات کسی شمار میں ہی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ باقی اپنی کوئی فکر نہیں کہ عمل واخلاق کے میدان میں کس ڈگر پر چل رہے ہیں اور اپنے معاملات کس رُخ پر جا رہے ہیں۔

رہی بات علمی کام اور تحقیقی کارناموں کی، تو واقعہ یہ ہے کہ تمام علمی تحقیقات کا اصل فائدہ اللہ جل جلالہٗ کی بارگاہ میں قبول ہو جانے پر موقوف ہے، اور قبولیت کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اگر خدا کے ہاں چھوٹا سا

عمل بھی قبول ہو جائے تو بسا اوقات انسان کی نجات کے لیے وہی کافی ہوتا ہے، اور خدانخواستہ اگر اُن کے دربار میں قبولیت کا فیصلہ نہ ہو تو علمی کتابوں و تحقیقی مقالوں کے انبار دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور اجتہادی کارناموں کے دفتر بھی انسان کی نجات نہیں کرا سکتے۔

بس ہے اپنا ایک ہی نالہ اگر پہنچے وہاں یوں تو کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

آپ نے حدیث میں مذکور بنی اسرائیل کی اس فاحشہ عورت کا قصہ یقیناً سنا ہوگا کہ جس کی مغفرت ایک کتے کو پانی پلانے پر ہی ہوگئی تھی اور اس کے برعکس جن تین افراد کو جہنم میں سب سے پہلے جھونکا جائے گا ان میں سے ایک بدنیت عالم اور قاری ہی ہوگا کہ جس نے اپنی ساری زندگی علمِ دین پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے میں گزار دی، اس کا علم ہی اس کے لیے وبال بن کر اس کو لے ڈوبے گا۔

نیز خدا کے نزدیک معیارِ فضیلت بڑا عالم و مفتی، محقق و مجتہد ہونے پر نہیں بلکہ تقویٰ اور خشیتِ الٰہی ہے۔ قرآن دوٹوک انداز میں واضح کرتا ہے کہ:

"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ" (سورة الحجرات، رقم الآية: ١٣)

"بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو" (حجرات)

پتا یہ چلا کہ اللہ کے نزدیک فضیلت کا معیار علم نہیں، تحقیق نہیں، اجتہاد نہیں بلکہ تقویٰ، خشیت اور خوفِ خدا ہے۔ اب ایک شخص عالم، مفتی، محقق اور مجتہد تو بہت زبردست ہو، لیکن تقویٰ سے خالی اور خشیت سے عاری ہو تو ایسے شخص سے ایک کم علم رکھنے والا متقی اور پرہیزگار شخص بہتر ہے، جو اپنے اعمال درست رکھتا ہے اور اخلاقیات سے نہیں گرتا، کیونکہ خدا کے نزدیک فضیلت کا معیار تقویٰ اور خوفِ خدا ہے نہ کہ عالم و محقق ہونا۔

پس انسان پر لازم ہے کہ علم و تحقیق سے بھی زیادہ اپنے اعمال اور اخلاق پر نگاہ و توجہ رکھے۔ اگرچہ باصلاحیت اہلِ علم کی بطورِ فرضِ کفایہ ذمہ داری ہے کہ علمی و تحقیقی کام کریں مگر اس سے بھی کہیں زیادہ ضروری اور فرضِ عین درجہ میں یہ لازم ہے کہ انسان کا دامن بدعملی، بداخلاقی اور بدزبانی جیسی خصلتوں سے پاک ہو۔

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط32) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (دسواں حصہ)

شیخ یحییٰ مصمودی اور اتباعِ مسلکِ مالکی

(گزشتہ سے پیوستہ) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیخ یحییٰ مصمودی کو امام مالک رحمہ اللہ سے حد درجہ محبت وعقیدت تھی، نیز آپ مالکی مسلک کی شدت سے اتباع کرتے تھے، اور اس سے انحراف خاطر میں نہیں لاتے تھے، نیز جو کچھ امام مالک سے سنا تھا، اسی کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے، اور ہرگز امام مالک کے خلاف کو پسند نہ فرماتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں کسی ایک مسلک کی اس شدت سے پابندی کا دستور نہیں تھا، لوگ مختلف مسائل میں مختلف ائمہ وفقہاء کی اتباع کیا کرتے تھے، عوام و خواص دونوں۔

جبکہ بعض مالکی فرماتے ہیں کہ شیخ یحییٰ مصمودی شکل و ہیئت کے اعتبار سے بھی امام مالک رحمہ اللہ سے حد درجہ مشابہت رکھتے تھے، اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آپ وضع قطع، اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقے، ظاہری شکل وصورت، اور اتباع میں امام مالک رحمہ اللہ کی ہو بہو تصویر تھے

(بستان المحدثین، ص۲۲، ملخصاً)

اور مشہور مؤرخ ابن خلکان اور ابن فرحون مالکی بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ''**وكان قد أخذ في نفسه وهيئته ومقعده هيئة مالك**'' کہ آپ اپنی شکل وصورت اور نشست وبرخاست میں امام مالک کے ہم صورت ومتبع تھے (وفيات الاعيان، ج٦، ص ١٤٦، حرف الياء)

لیکن پھر بھی شیخ یحییٰ مصمودی مالکی مسلک کی کامل اتباع کے باوجود کچھ مسائل میں امام مالک رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے تھے، اور ان مسائل میں آپ کی جداگانہ رائے تھی، جبکہ بعض مسائل میں لیث بن سعد کے مسلک کے بھی قائل تھے، جیسا کہ آپ صبح کی نماز اور نیز دیگر نمازوں میں قنوت پڑھنے کو جائز نہیں رکھتے تھے، دوسرے یہ کہ صرف ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کو روا نہیں

رکھتے تھے، بلکہ مدعی کو اپنا حق ثابت کرنے کے دومرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں بطورِ گواہ پیش کرنا ضروری ہے،اور تیسرے یہ کہ نزاعِ زوجین کی صورت میں حَکَم مقرر کرنے کو واجب نہیں سمجھتے تھے، چوتھے یہ کہ کاشت کی زمین کا کرایہ،اس کی فصل سے لینا جائز جانتے تھے،اور فرماتے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو یہودیوں کے لیے باقی رکھا،اوراس سے حاصل شدہ فصل کا آدھا بطور جزیہ مقرر فرمایا،ان سب مسائل میں آپ امام مالک رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہوئے،لیث بن سعد کے مسلک کے قائل تھے۔

(الانتقاء، لابن عبدالبر، ص ۵۸ الی ۶۰، تحت الترجمة: يحيى ين يحيى الأندلسی)

وفات

آپ کی وفات 22رجب 234ھ کو اندلس میں ہوئی، اور قرطبہ کے ایک قبرستان میں مدفون ہوئے، جبکہ اس وقت آپ کی عمر 82سال تھی آپ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک اندلس کو اپنے علم وفضل سے منور کیے رکھا، وفات کے بعد بھی آپ کی قبر مرجع خلائق رہی،تشنگان علم آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی قبر کی زیارت کے لیے اندلس تشریف لاتے رہے، جبکہ علمی دنیا میں آپ اپنی علمی تصانیف ودینی خدمات کے ذریعے آج بھی زندہ ہیں۔

خدانے اندلس کے اس عالم کو جو کمالِ علم وفضل عطاء کیا،اندلس میں شاید ہی کسی عالم کو ملا ہو۔

وذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم

موطاء امام مالک کی تصنیف اوراس کی خصوصیات

شیخ یحییٰ مصمودی کا سب سے بڑا کارنامہ امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا کی روایت وحفاظت ہے،جس نے بلاشبہ انہیں علم وفن کی دنیا میں اونچا مقام عطاء کیا، یوں تو امام مالک سے موطا کا سماع حاصل کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے،لیکن ان سب نے امام صاحب کی مرویات کو اس طرح محفوظ نہیں کیا،جس طرح سے آپ کے چند مایہ ناز اصحاب وتلامذہ نے اپنی اپنی روایات وسماع کے مطابق موطاء کو محفوظ وجمع کرنے کا اہتمام کیا، جن کی تعداد علامہ محقق زاہد الکوثری (متوفیٰ: 1371ھ) کے مطابق 24 ہے۔

جب کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ’’بستان المحدثین‘‘ میں ایسے

سولہ(16)افراد کے نام اوران کی مختصر تاریخ ذکر فرمائی کہ جنھوں نے موطاء کوانتہائی اہتمام کے ساتھ محفوظ وجمع کیا،اور جبکہ بعض کے نزدیک ان کی تعداد گیارہ (11) ہے،اوران میں سے چند ایک اسماء درج ذیل ہیں: یحییٰ بن یحییٰ مصمودی،عبداللہ بن وہب، ابن القاسم،عبداللہ بن مسلم قعنبی،معن بن عیسیٰ،عبداللہ بن یوسف تینسی ، یحییٰ بن بکیر،سعید بن عفیر،ابومصعب زہری، مصعب بن عبداللہ زبیری،محمد بن مبارک صوری،سلیمان بن برد، یحییٰ بن یحییٰ تمیمی،ابوحذافہ سہمی، سوید بن سعیداورامام محمد بن الحسن الشیبانی (بستان المحدثین،ص۲۲،ملخصاً)

مذکورہ بالانسخوں میں درج ذیل زیادہ مشہوراور متداول نسخے شمار ہوتے ہیں،اور بآسانی دستیاب بھی ہیں:**الموطأ: رواية محمد بن الحسن، الموطأ: رواية يحيىٰ الليثي، الموطأ: رواية أبي مصعب الزهري، موطأ عبد الله بن وهب، موطأ ابن بكير۔**

پھر موطأ کے ان نسخوں میں بھی جو مقام وقبولیت جن نسخوں کو حاصل ہوا،اور جو نسخے زیادہ مشہور و متداول ہوئے ، وہ دو ہیں،ایک یحییٰ مصمودی کا،اور دوسرا امام محمد کا،لیکن ان دونوں میں بھی نسخہ مصمودی کوزیادہ شہرت اورقبولیت حاصل ہوئی،حتیٰ کہ آج ساری دنیامیں مؤطا کا اطلاق نسخہ مصمودی ہی پر ہوتا ہے۔ [1]

اوراس نسخہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات کے وقت زیر سماعت تھا (جیسا کہ پہلے گزرا) کیونکہ یحییٰ مصمودی نے اس کا سماع امام مالک سے اسی سال کیا جس سال ان کی رحلت ہوئی، یہاں تک کہ آپ امام مالک رحمہ اللہ کے آخری وقت تک ان کے پاس موجود تھے،اس طرح وہ مؤطا کے تمام نسخوں میں آخری قرار پاتا ہے،اورظاہر ہے کہ آخری سماع کومرجح قراردیاجائے گا۔

تاہم بعض محققین موطاامام محمدکوشیخ یحییٰ مصمودی کی موطاپرکئی وجوہات کی بنیادپرفوقیت دیتے ہیں،

---

[1] الموطآت المعروفة عن مالک: إحدى عشرة .معناها متقارب .والمستعمل منها أربعة:(موطأ يحيى بن يحيى) و (موطأ مصعب) وهو: أبو مصعب: أحمد بن أبي بكر الزهري .و (موطأ ابن وهب) ثم ضعف الاستعمال، إلا في (موطأ يحيى) ثم في (موطأ ابن بكير (كشف الظنون، لحاجي خليفة، ج۲، ص ۱۹۰۸، حرف الميم: الموطا)

لیکن اس سلسلہ میں محقق علامہ زاہد الکوثری کی یہ رائے نہایت حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نسخے جداگانہ خصوصیات اور حیثیت کے حامل ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

''اس دور میں مؤطا کی مشہور ترین روایت اہلِ مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے، اور اہلِ مغرب میں یحییٰ اللیثی کی روایت ہے، چنانچہ پہلی روایت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اہل عراق نے اہلِ حجاز کی موطا میں موجود ان روایات کو لیا ہے، جن کو انہوں نے دوسرے دلائل کی بناء پر نہیں لیا، جن کو امام محمد اپنی موطا میں لائے ہیں، اور یہ چیز ان لوگوں کے لیے نہایت مفید ہے، جو اہلِ مدینہ اور اہلِ حجاز کے اجتہادی مسائل، اور فریقین کی آراء و دلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔

اور مؤطا کی دوسری روایت تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ وہ امام مالک کے تین ہزار کے قریب ان اجتہادی مسائل پر مشتمل ہے، جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے، اور یہ دونوں روایتیں دنیا بھر کے کتب خانوں میں شرقاً و غرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں''۔

(التعليق الممجد على موطأ محمد، للعامة عبد الحي اللكنوي، ج ١، ص ٢٩ و ٣٠)

تاہم آج مؤطا امام مالک کے نام سے جو کتاب بالخصوص ہمارے علاقوں میں مروج ہے وہ یحییٰ مصمودی ہی کی روایت ہے، جس کی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں، اور حضرت شیخ المشائخ جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اس موطأ کی جو بروایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی ہے، دو شرحیں لکھی ہیں، پہلی شرح ''**مصفیٰ فی احادیث الموطأ**'' کے نام سے ہے، جو ایک دقیق اور مجتہدانہ انداز میں فارسی زبان میں ہے، اور دوسری شرح مختصر ہے، اس میں صرف فقہاء حنفیہ و شافعیہ کے مذاہب بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے، اس کا نام ''**مسویٰ من احادیث الموطأ**'' ہے۔

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط82) مولانا محمد ریحان

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستی گورنروں کی تقرری (قسط10)

گورنروں کے حقوق (تیسرا حصہ)

گورنروں کے مادی حقوق کا خیال:

انسانی معاشرہ میں تمام لوگ رہن سہن کے معاملے میں یکساں نہیں ہوتے ،اور نہ ہی سب کا کھانا ،پینا، پہننا، اوڑھنا ایک جیسا ہوتا ہے۔جس طرح کے معیار کا کھانا پینا کسی کے خاندان کا چلا آرہا ہوتا ہے، ویسے ہی وہ شخص اس طرح کے معیار کا عادی ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی اپنے گورنروں کے رہن سہن کے مطابق ان کے مادی حقوق کا خیال رکھا کرتے تھے، تاکہ وہ کسی کے سامنے سوال نہ کرسکیں، یا پھر ان گورنروں کی نظر لوگوں کے مال پر نہ ہو، اور نہ ہی کسی طرح کی رشوت کا خیال ان کے ذہن میں آئے۔اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو اپنے دورِ خلافت میں جلد ہی محسوس کیا، اور گورنروں کی مناسب تنخواہوں کا بندوبست کیا۔اسی بات پر آپ رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مابین ایک مکالمہ بھی ہوا، جس میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا آپ نے اصحابِ رسول کو گورنر بنانے کے بعد ان کا خیال بھی رکھا ہے؟ جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو عبیدہ! اپنے دین کی سلامتی کی خاطر اگر میں اہلِ دین کا خیال نہ رکھوں گا، تو پھر کون رکھے گا؟ جس پر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحیح، پھر اگر آپ نے ایسا ہی کیا ہے، تو پھر گورنروں کو خیانت کے معاملے سے مستغنی کردیں۔ [1]

---

[1] قال: وحدثني محمد بن أبي حميد قال: حدثنا أشياخنا أن أبا عبيدة بن الجراح قال لعمر بن الخطاب رضي الله عنه: دنست أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ فقال له عمر: يا أبا عبيدة إذا لم أستعن بأهل الدين على سلامة ديني فبمن أستعين؟ قال: أما إن فعلت فأغنهم بالعمالة عن الخيانة، يقول: إذا استعملتهم على شيء فأجزل لهم في العطاء والرزق لا يحتاجون .(كتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۲۶ المكتبة الازهرية للتراث)

www.idaraghufran.org

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ جب آپ کسی کو گورنر بنائیں تو اس کے کھانے پینے میں فراخی رکھیں، تاکہ وہ گورنر اپنے کھانے پینے کی ضرورت کے واسطے خیانت کرنے یا لوگوں سے مانگنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔

یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کے معاملہ میں فراخ دل تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور تم لوگ اس مال میں یتیم کے سرپرست کی طرح ہیں،(یعنی یتیم کے سرپرست والا اصول ہم پر بھی لاگو ہوگا لہٰذا) تم میں سے جو غنی ہو،تو وہ اس مال میں سے کچھ نہ لے،اور جو محتاج ہو،تو وہ معروف طریقے کے مطابق لے لے۔ [1]

اسی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ نے روزانہ، ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر اناج یا مخصوص نقود کی صورت میں گورنروں کا وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا،جس کا بعض مؤرخین نے اپنے کتب میں تذکرہ کیا ہے۔ [2]

بعض روایات میں اس بات کا بھی ذکر ملتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قضاء کے منصب پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بیت المال پر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر کیا تھا،جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو روزانہ ایک بکری دیا کرتے تھے،جس میں سے کچھ حصہ حضرت عمار بن یاسر کو،اور چوتھائی حصہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ کو اور دوسرا چوتھائی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو دیا کرتے تھے۔ [3]

---

[1] وقد كان عمر يصرف لأمراء الجيش والقرى وجميع العمال من العطاء ما يكفيهم بالمعروف نظير عملهم (على قدر ما يصلحهم من الطعام ما يقومون به من الأمور)، وكان عمر يحرص على نزاهة العمال عما بأيديهم من الأموال العامة فيقول لعماله: قد أنزلتكم من هذا المال ونفسي منزلة وصي اليتيم من كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف(الولاية على البلدان في عصر الخلفاء الراشدين،الولاية في عصر عمر ابن الخطاب ص ۲۰۳ دار اشبيليا، ۲۰۰۱)

[2] (الولاية على البلدان ،الولاية في عصر عمر بن الخطاب،ص ۳۰۲ ، دار اشبيليا، ۲۰۰۱)

[3] وقد ورد ذكر بعضها في المصادر التاريخية منها ما كان طعاما ومنها ما كان نقودا محددة، وقد ورد أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه استعمل عبد الله بن مسعود على القضاء وبيت المال وعثمان بن حنيف على ما سقى الفرات وعمار بن ياسر على الصلاة والجند ورزقهم كل يوم شاة، فجعل نصفها وسقطها وأكارعها لعمار بن ياسر، لأنه كان في الصلاة والجند، وجعل ربعها لعبد الله بن مسعود والربع الآخر لعثمان بن حنيف(فصل الخطاب في سيرة ابن الخطاب ص ۳۳۴ الفصل الخامس،المبحث الثاني)

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

بری عادت والا لڑکا

پیارے بچو! ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس میں ایک چھوٹا سا لڑکا رہا کرتا تھا۔ اس لڑکے کا نام علی تھا۔ اس لڑکے کے اخلاق بہت اچھے تھے، اور اس کی طبیعت ہر کسی سے اچھی طرح سے ملنے جلنے کی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے ماں باپ اور اپنے استادوں کی بات کا احترام کرتا تھا۔ ان کی باتوں کو توجہ سے سنتا تھا، اور ان کے حکم کو مانتا تھا۔

گاؤں میں سادہ ماحول ہوتا ہے، لوگ عموماً ساتھ بیٹھتے ہیں، ساتھ ہی کھاتے پیتے ہیں۔ موبائل وغیرہ سے دور رہتے ہیں۔ گاؤں کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ صبح صبح فجر کے بعد بھینی بھینی ہوا چل رہی ہوتی ہے، سبزہ ہلکی ہلکی ہوا میں لہلہا رہا ہوتا ہے۔ سبزے کی خوشبو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے، اور ایسے وقت میں پگڈنڈی پر چلنا کسی کو بھی سکون بخشتا ہے۔

ایک دن گاؤں میں ایک نیا لڑکا آیا۔ اس نئے آنے والے لڑکے کی عادات اچھی نہ تھیں، وہ بات بات میں جھوٹ بولتا تھا، لوگوں کی چیزیں چوری کرتا تھا، اور بات بات میں گالم گلوچ کیا کرتا تھا۔ وہ نہ صرف بچوں کو گالیاں دیا کرتا تھا، بلکہ اپنے بڑوں سے بھی بدتمیزی کرتا تھا۔ ایک دن وہ گاؤں کے کچے راستے کے بالکل درمیان میں چلتا ہوا جا رہا تھا۔ قریب کھڑے ایک بزرگ بابا جی نے اسے کہا:

''ایسے ٹہل ٹہل کے درمیان میں کیوں چل رہے ہو؟ ایک طرف ہو کر چلو، تاکہ آنے جانے والوں کو تکلیف نہ ہو۔''

اس لڑکے نے بڑی بدتمیزی سے جواب دیا:

''اوئے بڈھے! تجھے کیا مسئلہ ہے؟ میں اپنے پاؤں سے چل رہا ہوں، اور کیا یہ سڑک تیرے باپ کی ہے؟''

اس لڑکے کی ان سب باتوں کو آس پاس گزرنے والے سب بچے سن رہے تھے، جس کی وجہ سے ان سب بچوں پر اس کا بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔ اگلے ہی دن علی نے دیکھا کہ گاؤں کا دوسرا لڑکا جس نے

کل ہی اس لڑکے کو بوڑھے بابا جی سے بدتمیزی کرتے ہوئے دیکھا تھا، جارہا تھا۔اوراس نے اسی طرح راستے کے بالکل درمیان ایک بوڑھی عورت سے بدتمیزی کی تھی۔

علی نے سوچا کہ اسے کچھ کرنا چاہیے تا کہ وہ اس آنے والے نئے بدتمیزلڑکے کوآئینہ دکھا سکے۔پھر ہوسکتا ہے کہ وہ لڑکا یا توصحیح راستے پرآجائے،اور یا پھر گاؤں چھوڑکر چلا جائے،تاکہ دوسرے لڑکے اس کی غلط باتیں اورحرکتیں نہ سیکھیں۔

علی اوراس کے اچھے دوستوں نے اس نئے لڑکے کے ساتھ پہلے تو دوستانہ ہاتھ بڑھایا،اوراچھے طریقے سے اس سے بات کرنے لگے،اوراسے سمجھایا کہ بڑوں کا احترام کرنے کی کیا اہمیت اور فائدے ہیں۔اس لڑکے کو یہ بھی سمجھایا کہ دوسروں کی مدد کرنا گویا اپنی مدد ہی کرنا ہوتا ہے۔کیونکہ اگرآج آپ کسی کی مدد کروگے،توکل کوئی آپ کی مدد کرے گا۔اسے یہ بھی سمجھایا کہ دوسروں کے ساتھ اچھا تعلق بنانے سے انسان کی اپنی شخصیت میں کتنا اچھا اثر ہوتا ہے۔

علی نے اس کا دوست بن کراس کو اتنے اچھے طریقے سے سمجھایا کہ اس نئے لڑکے کو بات سمجھ میں آگئی۔اس نے اپنی خراب عادتوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا،اوردوسروں کے ساتھ احترام کے ساتھ اوراچھے طریقے سے پیش آنے کا فیصلہ کرلیا۔

اگلے ہی دن سب نے اسے دیکھا کہ وہ اسی کچے راستے کے بالکل ایک طرف ہوکر چل رہا تھا،راستے میں گزرتے ہوئے اسے وہی بوڑھے بابا جی ملے،تواس نے انہیں سلام کیا،اوران سے اپنی بدتمیزی پرمعافی مانگی۔اب سارے بچے اس کو دیکھ کروہی کام کرنے کی کوشش کرنے لگے،جووہ کررہا تھا۔

اس طرح علی نے اس بری عادت والے لڑکے کی بری عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل کیا،اور وہی بری عادتوں والا لڑکا آج اچھی عادتیں اپنا کرخود بھی اچھے راستے پرچل رہا ہے،اوردوسروں کے لیے بھی اچھا راستہ دکھانے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

پیارے بچو!اس لیے کہتے ہیں کہ جب بھی کسی کے اندرکوئی برائی دیکھو،تواس کوصحیح طریقے سے سمجھاؤ،ہوسکتا ہے کہ وہ سمجھ جائے،اورصحیح راستہ پرآجائے۔

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط 71) مفتی طلحہ مدثر

ملازمت اور تجارت میں خواتین کے اختیارات (آٹھواں حصہ)

معزز خواتین! ماں، بیٹی اور بیوی پر خرچ کرنے کے حوالے سے تفصیل ذکر کر دی گئی ہے، اب ایک رشتہ باقی ہے، اور وہ ہے، بہن کا رشتہ، ہمارے یہاں بہنوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے، وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، اگرچہ ہمارا معاشرہ مسلمانوں کا ہے، لیکن بدقسمتی سے بہنوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیاں سراسر خلافِ اسلام ہیں، جاہلیت کے دور میں بھی یہی یا اس سے ملتے جلتے حالات کا عام طور پر بہنوں کو سامنا کرنا پڑتا تھا، ان سب حالات کے پیچھے یہ نظریہ کارفرما تھا، کہ بہن ایک بوجھ ہے، اور جو مالی اعتبار سے خاندان کو کسی طرح کی مدد فراہم نہیں کر سکتی، نہ ہی وہ جنگوں میں حصہ لے کر مردوں کی طرح بہادری کی قصے رقم کر سکتی ہے، نہ ہی مالِ غنیمت حاصل کر سکتی ہے، نہ ہی تجارت کر سکتی ہے وغیرہ وغیرہ، اسی نظریہ کے تحت بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی یہ دعائیں کی جاتی تھیں، کہ نرینہ اولاد پیدا ہو، اور جو قسمت غالب آجائے اور بیٹی پیدا ہو جائے، تو قرآن مجید میں اس بے بسی، اداسی اور افسردگی کا نقشہ بیان کیا گیا ہے، جو چہرے پر نمایاں ہوتی تھی اور سینہ میں سلگتی تھی۔

اسلام نے سب سے پہلے اسی کا قلع قمع کیا، بیٹی کو ایک نعمت اور رب کی منشا قرار دیا، اس کی پرورش، تربیت کے فضائل بیان کیے، بہت سے انعامات کا وعدہ کیا، جس سے یہ تاثر زائل ہونے میں مدد ملی کہ بیٹی کوئی اچھوت ہے، اور بیٹی کی اہمیت باور کرانا اس لیے بھی ضروری تھا، کہ آگے سارے رشتہ اسی سے جنم لیں گے، یہی بیٹی کسی کی بہن اور کل کو کسی کی بیوی اور ماں بنے گی۔

بہن کو میراث میں سے حصہ نہ دینا اور اس کا حصہ کھا جانا بھی کوئی آج کی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر قرآن مجید میں فرمایا کہ

"وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا" (سورۃ الفجر)

ترجمہ: تم میراث کا مال سمیٹ سمیٹ کر کھا جاتے ہو

www.idaraghufran.org

اس طرح شریعت نے اس بات کی ترغیب تو دی ہے، کہ بچیوں کا مناسب رشتہ مل جانے پر شادی کردی جائے اور بلا وجہ تاخیر سے کام نہ لیا جائے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، کہ شادی کے بعد اس بیٹی یا بہن سے بالکل ہی رشتہ منقطع کردیا جائے، یا اس کے آنے جانے کو ایک بوجھ سمجھا جائے، یہ بھی ایک نامناسب رویہ ہے، خیر بہن پر مالی اعتبار سے خرچ کرنے کی بھی شریعت نے ترغیب دی ہے، اور بعض اوقات اس پر خرچ کرنا دوسروں پر خرچ کرنے کی نسبت زیادہ ثواب کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

بہن پر خرچ کرنے کی فضیلت

صدقہ کے عمومی حکم میں بہن بھی داخل ہے، لیکن بعض وجوہات کی بنا پر بہن کا حق دیگر لوگوں سے زیادہ ہے، کیونکہ رشتہ داری اور قرابت داری کی وجہ سے دوسروں کی نسبت بہن مقدم ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی جو ترتیب بتائی ہے، اس میں بہن دیگر افراد سے پہلے آتی ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فَقِيرًا، فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ، وَإِنْ كَانَ فَضْلٌ، فَعَلَى عِيَالِهِ، وَإِنْ كَانَ فَضْلٌ، فَعَلَى ذِي قَرَابَتِهِ أَوْ قَالَ: عَلَى ذِي رَحِمِهِ، وَإِنْ كَانَ فَضْلٌ، فَهَاهُنَا، وَهَاهُنَا (مسند احمد، ۱۴۲۷۳)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص غریب ہو، تو وہ اپنی ذات سے ابتداء کرے (یعنی پہلے اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرے)، پھر اگر کچھ بچے، تو اپنے اہل وعیال (یعنی بال بچوں) پر خرچ کرے، پھر اگر کچھ بچ جائے، تو اپنے قریبی رشتہ داروں پر یا رحم والے رشتہ داروں پر خرچ کرے، پھر بھی اگر کچھ بچ جائے، تو یہاں اور وہاں خرچ کرے (مسند احمد)

عربی میں ''ذی القرابۃ''، ''ذی رحم'' میں باہم کچھ فرق ہے، لیکن اردو میں دونوں کا ترجمہ رشتہ داروں سے کرنا ممکن ہے، بہن ذی القرابۃ میں داخل ہے، اسی وجہ سے اپنی ذات اور اہل وعیال کے بعد تیسرے درجہ میں بہن بھی آتی ہے۔

نیز بہت سی احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے، کہ رشتہ داروں پر صدقہ کرنا یا خرچ کرنے سے دو ثواب حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى ذِي الْقَرَابَةِ اثْنَتَانِ: صِلَةٌ، وَصَدَقَةٌ "(مسند احمد ۱۶۲۲۷)

ترجمہ: کسی مسکین اور غریب پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے، جبکہ کسی رشتہ دار کو صدقہ دینا دوہرے اجر کا باعث ہے، صلہ رحمی اور صدقہ (مسند احمد)

مذکورہ حدیث کے مطابق بہن پر خرچ کرنا بھی دوہرے اجر کا باعث ہے، ایسی عمومی اور اصولی احادیث تو بہت سی ہیں، تاہم بعض احادیث میں خاص طور پر بہن کا الگ سے ذکر بھی کیا گیا ہے ، چنانچہ طارق محاربی سے روایت ہے کہ

قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ النَّاسَ وَهُوَ يَقُولُ: " يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ .أُمَّكَ وأباك، وأختك وأخاك، ثم أدناك أدناك (صحيح ابن حبان ،رقم احديث ۳۳۴۱ذكر البيان بأن على المرء إذا أراد الصدقة بأنه يبدأ بالأدنى فالأدنى منه دون الأبعد فالأبعد عنه)

ترجمہ: میں مدینہ آیا تو میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر لوگوں کو وعظ فرما رہے ہیں، اور وہ فرما رہے تھے، دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے، اور ان سے ابتدا کرو جن کی تم کفالت کرتے ہو، اپنی ماں سے اور باپ سے اور بہن سے اور بھائی سے، پھر درجہ بدرجہ قریب تر لوگوں سے (صحیح ابن حبان)

مذکورہ حدیث میں صراحت کے ساتھ بہن کا بھی ذکر کیا گیا، ان احادیث سے معلوم ہوا، بہن پر خرچ کرنے کی شریعت نے ترغیب دی ہے، اور بہن کا حق دوسرے لوگوں کی نسبت مقدم فرمایا ہے۔

(جاری ہے.....)

فحش گوئی، بدزبانی و بدکلامی اوران میں دلچسپی علاماتِ قیامت میں سے ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ والْمُتَفَحِّشَ .وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لاَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ الفُحْشُ والتَّفَحُّشُ، وسُوْءُ الْجِوَارِ، وقَطِيْعَةُ الْأَرْحَامِ، وحَتّٰى يُخَوَّنَ الْأَمِيْنُ، ويُؤْتَمَنَ الْخَائِنُ. وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، إِنَّ أَسْلَمَ الْمُسْلِمِيْنَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ ويَدِهٖ.

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ عزوجل، فحش گوئی و بدکلامی کرنے والے اور فحش گوئی کو پسند کرنے والے کو مبغوض (یعنی انتہائی ناپسند) رکھتا ہے، اور قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک کہ فحش گوئی و بدکلامی، اوران میں دلچسپی رکھنا، اور بُرے پڑوسی اور قطع رحمی عام نہ ہوجائے، اور یہاں تک کہ امانت دار کو خائن قرار نہ دیا جائے، اور خائن کو امانت دار قرار نہ دیا جائے، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ اسلم (یعنی سلامتی اور اسلام والا) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث14507)

نرم اور سہل شخص پر جہنم حرام ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ تُحَرَّمُ عَلَيْهِ النَّارُ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ.

ترجمہ: کیا میں تمہیں اس آدمی کی خبر نہ دے دوں، جس پر آگ (یعنی جہنم) کو حرام کر دیا گیا ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک (ہمیں اس کی خبر دیجئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اس شخص پر جو کہ سنجیدہ، نرم، قریب اور سہل (یعنی آسانی پیدا کرنے والا) ہو۔

(صحیح ابن حبان، حدیث 470)

اس قسم کی احادیث دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

جن کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اخلاق اس طرح کے ہوں کہ وہ باوقار اور سنجیدہ ہو (چھچھورا نہ ہو) اور نرم مزاج رکھتا ہو (سخت مزاج نہ ہو) اور اچھے برتاؤ کی وجہ سے لوگوں کے قریب ہو (دور نہ ہو) اور اس طرح سہل ہو کہ لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہو، اور شریعت کی پابندی کرتا ہو، تو ایسے شخص پر جہنم حرام ہے۔

(کذافی: فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت رقم الحدیث ۲۸۶۳)

آسانی وسہولت کا حکم اور سختی وتشدد کی ممانعت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: عَلِّمُوْا، وَيَسِّرُوْا، وَلاَ تُعَسِّرُوْا، وَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو تعلیم دو، اور (تعلیم میں) آسانی پیدا کرو، اور مشکل پیدا نہ کرو، اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے، تو اسے چاہئے کہ وہ خاموشی اختیار کرے (مسند احمد، حدیث 2136)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَسِّرُوْا وَلاَ تُعَسِّرُوْا، وَبَشِّرُوْا، وَلاَ تُنَفِّرُوْا (بخاری، حدیث 69)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آسانی پیدا کرو، اور مشکل پیدا نہ کرو، اور (اپنے آپ اور دوسروں کو) خوشخبری سناؤ، اور متنفر نہ کرو (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ نرمی وسہولت والا معاملہ اختیار کرنا چاہیے، اور اسی طرح تعلیم وتعلم اور دین سکھانے میں بھی نرمی وسہولت والا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے، اور سختی وتشدد کے انداز سے بچنا چاہئے، کیونکہ سختی اور مشکل پیدا کرنے سے دوری اور نفرت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ دین سے دُور ہو جاتے ہیں۔

غصہ کے وقت ''اعوذ باللہ'' پڑھنے کا حکم

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ أَحَدُهُمَا يَغْضَبُ وَيَحْمَرُّ وَجْهُهُ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ ذَا عَنْهُ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (مسلم، رقم الحديث2610"110")

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو گالی دی ان میں سے ایک آدمی کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں، رسول اللہ نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ آدمی اسے کہہ لے تو اس سے (یہ غصہ) جاتا رہے (وہ کلمہ یہ ہے) أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (مسلم)

اس حدیث میں غصہ کے وقت ''اعوذ باللہ'' پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے غصہ دور اور ختم ہوجاتا ہے۔

اور ایک حدیث میں غصہ کے وقت وضو کرنے کا حکم آیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے (سنن أبی داؤد، حدیث نمبر4784)

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

تکفیر بازی ومغالطاتِ سلفی کا جائزہ (قسط12)

امام کے معصومیت کے عقیدہ کی بناء پر ''عدمِ تکفیر'' کی وجہ اسی طرح کی تاویل ہے کہ اس کی اتباع کو نبی کی اتباع میں منضم سمجھا جاتا ہے، اس لئے اس میں رسول کی صریح تکذیب وتکفیر نہیں پائی جاتی، جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہو، اور اس طرح یہ عقیدہ ''کفرِ تاویلی'' کی حد میں داخل ہو جاتا ہے، جو جمہور مجتہدین ومحققین کے نزدیک ''عدمِ تکفیر'' کے لئے کافی ہے، اسی کو انہوں نے ''عدمِ التزامِ کفر'' سے تعبیر کیا ہے۔

اور بعض حضرات نے جو ''کفرِ تاویلی، یا لزومِ کفر'' کی وجہ سے ''التزامِ کفر'' کا حکم لگایا، یہ ان کا تسامح ہے، جو ''لزومِ کفر'' اور ''التزامِ کفر'' میں التباس کی بناء پر پیدا ہوا، جس کے بعد بعض متاخرین سے ایک شدید تسامح یہ ہوا کہ انہوں نے متقدمین کے روافض کی عدمِ تکفیر کی وجہ یہ سمجھ لی کہ متقدمین کو روافض کے عقائد وافکار سے آگاہی حاصل نہ ہو سکی۔

حالانکہ یہ بات سراسر خلافِ واقعہ، اور جمہور مجتہدین، متقدمین کی شان سے بعید تر ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین لکھنوی (المتوفی ۱۲۳۵ھ) نے ''شرح مسلم الثبوت'' میں ''اجماع'' کی بحث کرتے ہوئے ''رافضہ امامیہ'' کے عقیدۂ عصمت پر اہل السنۃ کے ساتھ اختلاف پر تفصیل اور دلائل کے ساتھ کلام کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج۲، ص۲۷۸ و ۲۷۹، الاصل الثالث ''الاجماع'' مطبوعۃ: دار الکتب العلمیۃ بیروت)

پھر موصوف نے اسی ''اجماع'' کی بحث کے ضمن میں اجماعِ قطعی کے انکار کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے ''روافض'' کی طرف سے خلافتِ ابی بکر کے انکار کرنے پر عدمِ کفر کی وجہ کا ذکر فرمایا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک روافض کی عدمِ تکفیر کو صحیح وراجح قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج۲، ص۲۹۴، الاصل الثالث ''الاجماع'' مطبوعۃ: دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور پھر موصوف نے باحوالہ یہ بات نقل کی ہے کہ روافض وخوارج کی تکفیر کا قول ہمارے ائمہ متقدمین کا مذہب نہیں ہے، بلکہ ان کی تکفیر کا قول متاخرین کے اقوال میں ظاہر ہوا ہے، اور پھر ان کے بعض اجماعی چیزوں کے انکار کے باوجود عدمِ تکفیر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے زعم کے مطابق دینِ محمدی، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے اصحاب کی تکذیب نہیں کرتے، اس لئے وہ ''التزامِ کفر'' کرنے والے شمار نہیں ہوتے، جس کا ملتزم ہی کافر قرار پایا کرتا ہے ''لزومِ کفر'' کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جایا کرتا، اسی بناء پر خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی گئی، حالانکہ ان کے اقوال پر بھی اجماع، اور قطعی امور، مثلاً حضرت علی اور اجلِ صحابہ وجمہور مسلمین کو کافر قرار دینے کا انکار لازم آتا ہے۔

(ملاحظہ ہو: فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج ۲، ص ۲۹۴، و ص ۲۹۵، الاصل الثالث "الاجماع" مطبوعة: دار الكتب العلمية بيروت)

پھر اس کے بعد موصوف نے اجتہاد کی بحث کے ذیل میں فرمایا کہ روافض اور خوارج کا اجلِ صحابہ کی تضلیل کرنا، بدترین بدعت ہے، لیکن ہم ان کی تکفیر اس لئے نہیں کرتے کہ یہ فرقے، فی الجملہ قرآن، یا حدیث، یا عقل سے تمسک کرتے ہیں، لہٰذا یہ لوگ اللہ کے کلام اور اس کے رسول، اور اس کی لائی ہوئی باتوں کی مجملاً حقانیت کا التزام کرتے ہیں، جو کہ ایمان کی حقیقت ہے، جہاں تک ان کے فاسد افکار واقوال کا تعلق ہے، تو یہ لوگ ان امور کو دینِ محمدی خیال کرتے ہیں، اور جہاں تک ان کے افکار واقوال سے ''قطعیُ الثبوت'' امور کی تکذیب لازم آنے کا معاملہ ہے، تو یہ کفر نہیں ''کفر'' تو اس کے ''التزام'' کا نام ہے، جو یہاں نہیں پایا جاتا۔

جیسا کہ پہلے علامہ ابنِ عابدین شامی کے حوالہ سے گذرا۔

نیز روافض وخوارج کی تکفیر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ''اہلِ قبلہ'' کی تکفیر ممنوع ہے، اور ہم اہل السنۃ کے علاوہ دوسرے فرقوں کو ان کی بدعات اور گناہ کی وجہ سے ناری کہتے ہیں، لیکن ان کو ابدی ناری نہیں کہتے، اور ان کی عدمِ تکفیر کا قول جمہور فقہاء ومتکلمین کا ہے، اور یہی حق ہے۔ اور میں نے شیعہ کی تفسیر مجمعُ البیان میں دیکھا کہ بعض شیعہ اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ موجودہ قرآن سے زائد تھا، جو قرآن کو جمع کرنے والے صحابہ کی کوتاہی کی بناء پر ضائع ہوگیا، اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ موجودہ قرآن ناقص ہے، تو وہ کافر ہے، کیونکہ اس میں صرف اجماع کا ہی

نہیں، بلکہ ضروریاتِ دین کا انکار پایا جاتا ہے،لیکن صاحبِ تفسیر **مجمعُ البیان** نے اس قول کو اختیار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس قول کو ''بعض شیعہ'' کی طرف منسوب کیا ہے،اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

(ملاحظہ ہو:فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج۲،ص ۴۲۲،خاتمة'' بحث الاجتهاد''مطبوعة: دارالکتب العلمیة بیروت)

علامہ موصوف نے اس سلسلہ میں علمی وتحقیقی اعتبار سے اصولی طور پر جملہ امور کو منقح فرمادیا،اور روافض کی تکفیر کے قول کے تسامح پر مبنی اور مرجوح ہونے کی عمدہ توضیح بھی فرمادی۔

اس سلسلہ میں علامہ ابنِ تیمیہ ودیگر حضرات کی مزید عبارات وحوالہ جات ہم نے دوسری تالیف ''اہلِ تشیع کی تحقیق وتکفیر'' میں نقل کردیے ہیں،جن میں واضح کردیا گیا ہے کہ اہلِ سنت واہلِ تشیع کے مابین ''مسئلہ امامت وعصمت'' پر قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے،اہل السنہ کی طرف سے ''علمِ کلام واصول،عقائد وفقہ اور سیاست وحکومت'' سے متعلق کتب وابحاث میں اس اختلاف،اوراس پر تردیدی دلائل سب ہی چیزوں کا ذکر ہے،لیکن اس بنیاد پر روافض کی تکفیر نہیں کی گئی، بلکہ اس بنیاد پر تکفیر کا قول سامنے آنے پر اس کو مرجوح قرار دیا گیا،اوراس کو ''مجتہدین'' کے مقابلہ میں ''غیر مجتہدین'' کا قول قرار دے کر نظرانداز کیا گیا۔

اور ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید روا نہیں،تو ''مذکورہ مجتہدین غیر مکفرین'' کو ''غیر مجتہدین مکفرین'' کی تقلید کا حکم دینا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

(ملاحظہ ہو:رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱،ص ۵۶،مقدمة،وج۴،ص ۲۳۷،کتاب الجهاد،باب المرتد)

اور سلفی صاحب نے جو اس موقع پر طعن وتشنیع کا بازار گرم کرنے کی کوشش کی ہے،اس سے فرق نہیں پڑتا،علم وتحقیق کے میدان میں اس کی ذرا بھی اہمیت ووقعت نہیں،ان کی اس طرح کی اتہام سازیوں کی زد میں تو اسلامی تاریخ کے جلیل القدر حضرات وافراد بھی آجاتے ہیں، پھر ہماری شان پر اس طرح کی جاہلانہ ومضحکانہ الزام تراشیوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔

غیرتِ سبائیت کے الزام کی مضحکہ خیز تاویل

مغالطہ: .....پھر اس کے بعد سلفی صاحب نے ماہنامہ حق چار یار،جنوری،۲۰۲۳ء، کے صفحہ نمبر

۳۵ پر اپنے اس الزام کی بے جا تاویل کی کوشش کی ہے، جو انہوں نے پہلی اقساط میں ’’غیرتِ سبائیت‘‘ کے الفاظ میں عائد کیا تھا، اور اس سلسلہ میں سلفی صاحب نے اگلے صفحہ پر لکھا ہے کہ:

’’ہم نے جوبات مبتداء وخبر اور جملہ اسمیہ وخبریہ کے تناظر میں لکھی تھی‘‘

(ماہنامہ حق چاریار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۳۶)

جوابِ مغالطہ: ......سلفی صاحب کی یہ تاویل بے سروپا، بلکہ مضحکہ خیز ہے، جس کا علم وانصاف کی دنیا، بلکہ ابتدائی اردو کے شعبہ میں کوئی بھی مقام نہیں، اور سلفی صاحب کی طرف سے ان کے مضمون میں پے در پے طعن وتشنیع اور جھوٹ وخیانت کی اتنی مثالیں موجود ہیں، جو اَب علم وانصاف کے متلاشی لوگوں کی نظروں میں حدِ شہرت کو پہنچ چکی ہیں، اور ان کی دیانت مخدوش ہو کر رہ چکی ہے۔

قوتِ نافذہ کی بے تکی تاویل

مغالطہ: ......پھر سلفی صاحب نے اپنے مضمون میں ’’قوتِ نافذہ کا مطلب، اہلِ اہواء کی تعریف اور عدل ونکاح میں روافض کی گواہی‘‘ کا بے سروپا عنوان قائم کر کے لکھا کہ:

’’ہم نے آپ سے قاضی، جج، یا ریاست کے کسی دوسرے سرکاری عہدہ دار کی حیثیت سے یہ شکوہ نہیں کیا،، اور نہ ہی مفتی سمجھ کر آپ جناب سے ایسی درخواست کی تھی (ماہنامہ حق چاریار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۳۷)

جوابِ مغالطہ: ......سلفی صاحب کے قلم سے بالآخر یہاں بے تکی تاویل کے نتیجہ میں وہ سچ نکل ہی گیا، جس سے وہ پہلے راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔

ہم پہلے بار بار واضح کر چکے کہ سلفی صاحب کا ہم سے کئے گئے سوال وجواب سے تعلق ہی نہ تھا، لیکن انہوں نے متعنت کی حیثیت سے درمیان میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی۔

اس بارے میں پہلے بھی تحقیقی شعور وغیرہ کے فقدان کے ضمن میں کلام گزر چکا ہے، جس کے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اہلِ اہواء واہلِ بدعت کی اصطلاح ومصداق سے ناواقفیت

مغالطہ: ......اس کے بعد سلفی صاحب نے ہمارے مضمون ’’علمی وتحقیقی سلسلہ جلد نمبر ۱۸ کے

صفحہ نمبر ۳۸۴ پر مذکور اس اقتباس پر تبصرہ کیا ہے، جس میں ہم نے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اہلِ اہواء وروافض کی گواہی قبول ہونے کا حکم ذکر کیا ہے، سوائے خطابیہ کے، اور مذکورہ فقہاء نے اس میں نکاح کی گواہی قبول ہونے کے حکم کو بھی شامل رکھا ہے، اس پر سلفی صاحب نے بے تکا تبصرہ کیا ہے۔

چنانچہ سلفی صاحب لکھتے ہیں کہ:

اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ فتویٰ ہے کہ کوئی اثنا عشری عقیدے کا حامل شخص کسی مسلمان کے نکاح میں بطور نکاح کے قبول نہیں کیا جاسکتا ہے (ماہنامہ حق چار یار، جنوری ۲۰۲۳ء، صفحہ نمبر ۳۸)

جوابِ مغالطہ: ...... سلفی صاحب نے جو دعویٰ کیا، وہ اہل السنۃ والجماعۃ کی حقیقت، اور اس کے مفہوم ومصداق سے ناواقفیت ولاعلمی پر مبنی ہے۔

ابو منصور عبدالقاہر بغدادی (المتوفی: 429ھ) فرماتے ہیں:

افترقت الرافضة بعد زمان علی رضی الله عنه اربعة اصناف زیدیة وإمامیة وکیسانیة وغلاة وافترقت الزیدیة فرقا والامامیة فرقا. والغلاة فرقا کل فرقة منها تکفر سائرها وجمیع فرق الغلاة منهم خارجون عن فرق الإسلام فاما فرق الزیدیة وفرق الامامیة فمعدودون فی فرق الامة(الفَرق بین الفِرق، ص ۱۶، الباب الثانی، الفصل الثانی)

ایک مرتبہ پھر ہم سلفی صاحب کی مخصوص ذہنی ونفسیاتی کیفیت کی وجہ سے نسیان کا عارضہ لاحق ہونے کی بناء پر علامہ عبدالحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس فتوے کا اعادہ کرتے ہیں کہ:

”اثنا عشریہ کے کفر میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، بعض نے سبِ شیخین کی وجہ سے ان کے کفر کا حکم دیا ہے، اور یہی اصحابِ فتاویٰ اور صاحبِ بحر الرائق اور صاحبِ درمختار کا قول ہے، لیکن مفتیٰ بہ اور اصح قول ان کی عدمِ تکفیر کا ہے، اور ”سبِ شیخین“ موجبِ کفر نہیں ہے، اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق ہے، اور جو کتبِ فتاویٰ میں کفر کا حکم مرقوم ہے، وہ دائرۂ تحقیق سے خارج ہے“ (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ، ج ۳، ص ۹۷، کتاب الوراثۃ، مطبوعہ: ایم، ایچ، کمپنی، کراچی)

اسی ضمن میں صفحہ نمبر ۳۸، پر سلفی صاحب نے تذبذب کے انداز میں علامہ شہرستانی (المتوفیٰ:

www.idaraghufran.org

548ھ) کے بارے میں یہ لکھا کہ انہوں نے اس عبارت میں فقط ''فرقہ خطابیہ'' کا تعارف پیش کیا ہے۔

حالانکہ ہم نے اپنے مضمون کے اس متعلقہ صفحہ نمبر ۴۸۴ پر علامہ خطابی کے حوالہ سے اس کے بر خلاف کوئی بھی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ حاشیہ میں پہلے البحر الرائق کی عبارت ''اہلِ اہواء کی گواہی قبول ہونے کے متعلق'' پیش کی، سوائے خطابیہ کے، اور اس کے بعد علامہ شہرستانی کی ایک عبارت ''خطابیہ'' کے تعارف کے لئے ہی درج کی ہے۔

پھر اس پر سلفی صاحب کے مذکورہ تبصرہ کی کیا حیثیت ہے۔

جہاں تک شیعہ کی تکفیر کا تعلق ہے، تو اس بحث کو اس سے مس نہیں، وہ بحث اس سے جدا ہے، اور علامہ شہرستانی کی بعض عبارات سے دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں بطور خاص شیعہ، بلکہ امامیہ کا اصولی طور پر امت میں داخل ہونا، اور ان کے اندر بے شمار فرقوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(ملاحظہ ہو: الملل و النحل، ج ۱، ص ۱۶۵)

البتہ علامہ شہرستانی نے ''الملل و النحل'' میں بعض ایسے عقائد کو ''امامیہ'' کی طرف منسوب کر دیا ہے، جو ''امامیہ'' کے بجائے ''غالیہ اسماعیلیہ باطنیہ'' وغیرہ کے ہیں، محققین نے شہرستانی کی طرف سے اس طرح کی متعدد نقول کو غیر معتبر، اور ان کے مقابلہ میں ابو الحسن اشعری کی نقول کو زیادہ معتبر قرار دیا ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ نے ''منهاجُ السنة'' میں شہرستانی کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ بہت سی باتیں، ایسے لوگوں کے حوالہ سے ذکر کر دیتے ہیں، جو متہم ہوتے ہیں، اس لئے ان کی نقل کردہ اس قسم کی باتوں کا اعتبار کرنا، مناسب نہیں، اور شہرستانی کے مقابلہ میں اشعری کی نقول زیادہ صحیح اور جھوٹ سے محفوظ ہیں۔

(ملاحظہ ہو: منهاج السنة، ج ٦ ص ۳۰۰، ۳۰۱)

پھر سلفی صاحب نے مذکورہ ماہنامہ حق چار یار کے صفحہ نمبر ۳۸، و ۳۹ پر ''اہلِ اہواء'' کا مفہوم متن میں لکھ کر، حاشیہ میں علامہ ابنِ تیمیہ کی ایک عبارت، اور اس کے ساتھ علامہ ابنِ قیم کی **اغاثةُ اللهفان** کا صرف حوالہ لکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''اہل الا ہواء سے بدعتی مسلم لوگ مراد ہیں، اور روافض و امامیہ اس اصطلاح سے خارج ہیں''۔

www.idaraghufran.org

لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلفی صاحب اہلِ اہواء اواہلِ بدعت کی فقہی اصطلاح اور علامہ ابنِ تیمیہ، وعلامہ ابنِ قیم کی عبارات کا مطلب سمجھنے سے قاصر، بلکہ معذور ہیں، علامہ ابنِ تیمیہ، وابنِ قیم نے دیگر محققین کی طرح روافض کے اہل، اہواء واہلِ بدعت ہونے کی جابجا تصریح کی ہے۔

علاء الدین ابوالحسن مرداوی اپنی اصولِ فقہ سے متعلق تالیف میں فرماتے ہیں:

فائدة: المبتدعة أهل الأهواء، إذا أطلق العلماء لفظة المبتدعة فالمراد به أهل الأهواء من الجهمية ، والقدرية ، والمعتزلة ، والخوارج ، والروافض ومن نحا نحوهم (التحبير شرح التحرير فی أصول الفقه، ج۴،ص ۱۸۹۰،فی تکفیر الصلوات الخمس والجمعة ما بينهما إذا اجتنبت الكبائر)

اور علامہ ابنِ تیمیہ مجموع الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

كان السلف يسمونهم أهل الأهواء :من الرافضة والخوارج(مجموع الفتاوى، ج۱۸، ص ۳۳۲)

اس کے علاوہ علامہ تیمیہ کے فتاویٰ میں جابجا تصریحات ہمارے مدعیٰ کے موافق ہیں۔

(ملاحظہ ہو:مجموع الفتاوى، ج۱، ص ۲۴۹، وج۳، ص ۲۸۰، وج۴، ص ۱۴۹، وص۴۴۷، وج۱۲، ص۴۶۶، وج۱۵، ص۲۹۸، وج۱۶، ص۴۷۶، وج۱۷، ص۳۱۱، وج۱۹، ص۲۰۷، وج۲۱،ص ۱۵۴،وج۲۲،ص۳۵۷)

اس کے علاوہ علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنی تالیف ’’منهاج السنة‘‘ میں بھی مختلف مقامات پر ’’رافضہ‘‘ کو صاف طور پر ’’اہلِ بدعت‘‘ بلکہ ’’اہلِ قبلہ‘‘ کہا ہے۔

(ملاحظہ ہو:منهاج السنة ، ج۲،ص۵۸،الفصل الثانی، الوجه الرابع أن يقال أهل السنة مع الرافضة كالمسلمين مع النصارى،وج۲،ص ۸۲،الفصل الثانی، الرد على القسم الثانی من المقدمة،وج۳،ص ۴۳۰، الفصل الثانی، الكلام على قول الرافضی بإباحة أهل السنة للصلاة فی جلد الكلب،وج۵،ص ۱۶۰،الفصل الثانی، فصل كلام الذام للخلفاء وللغيرهم من الصحابة،وص ۲۳۹، الفصل الثانی، فصل الله أمر بالاستغفار لأصحاب محمد فسبهم الرافضة،وج۶،ص۱۱۸، الفصل الثانی، فصل كلام الرافضی أن عمر كان يأخذ بالرأی والحدس والظن،وج۷،ص ۲۲۲، الفصل الثالث، فصل البرهان الخامس والعشرون "فسوف يأتی الله بقوم يحبهم ويحبونه "والجواب عليه)

علامہ ابنِ تیمیہ نے مذکورہ تالیف میں ’’امامیہ اثناعشریہ‘‘ کے متعلق یہ بھی لکھا کہ:

والإمامية الاثنا عشرية . خير منهم بكثير، فإن الإمامية مع فرط جهلهم وضلالهم فيهم خلق مسلمون باطنا وظاهرا ليسوا زنادقة منافقين، لكنهم جهلوا وضلوا واتبعوا أهواء هم(منهاج السنة النبوية، ج۲،ص ۴۵۲، الفصل الثانی)

جہاں تک علامہ ابنِ تیمیہ کے شاگرد، علامہ ابنِ قیم کا تعلق ہے، تو وہ بھی اسی موقف کے حامل ہیں۔
چنانچہ علامہ ابنِ قیم ”اعلامُ الموقعین“ میں فرماتے ہیں:

أهل البدع كالشيعة والخوارج والمعتزلة والجهمية(إعلام الموقعين عن رب العالمين، ج۴، ص ۱۴۰)

ترجمہ: اہلِ بدعت، جیسا کہ شیعہ اور خوارج، اور معتزلہ، اور جہمیہ (اعلام)

اور علامہ ابنِ قیم اپنی تالیف ”الطرقُ الحکمیة“ میں فرماتے ہیں:

كأهل البدع والأهواء الذين لا نكفرهم، كالرافضة والخوارج والمعتزلة، ونحوهم، هذا منصوص الأئمة.قال الشافعي :أقبل شهادة أهل الأهواء بعضهم على بعض، إلا الخطابية فإنهم يتدينون بالشهادة لموافقيهم على مخالفيهم(الطرق الحكمية،ص ۱۴۵، ۱۴۶،فصل فى الطرق التى يحكم بها الحاكم،فصل الطريق السادس عشر فى الحكم بشهادة الفساق وذلك فى صور)

نیز علامہ ابنِ قیم نے ”مدارجُ السالکین“ میں فسقِ اعتقادی کی تعریف کرتے ہوئے اہلِ بدعت مومنین کا ذکر کیا ہے، اور اس میں بیشتر قدریہ، معتزلہ سمیت روافض کو شمار کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: مدارج السالکین، ج ۱، ص ۳۶۹)

اور رافضہ کے مفہوم میں امامیہ واثنا عشریہ بھی داخل ہیں، بلکہ متعدد محققین کی تصریح کے مطابق رافضہ سے امامیہ ہی مراد ہیں، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہ کی ”منهاج السنة“ دراصل ایک امامی، بلکہ اثنا عشری کی تردید میں لکھی گئی تالیف ہے، جس میں ہمارے مدعیٰ کی تصریح ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سلفی صاحب خیانت کے ساتھ جہلِ مرکب کی صفت سے بھی مزین ہیں۔

سلفی صاحب نے اپنے مضمون کے حاشیہ میں ”اغاثةُ اللهفان“ کا جو حوالہ دیا ہے، ان کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے متن میں بیان کردہ مدعیٰ کے مطابق اس حوالہ کی اصل عبارت پیش کریں، ورنہ علمی خیانت سے توبہ ورجوع کا اعلان کریں۔

مندرجہ بالا تمام تصریحات کے باوجود سلفی صاحب بار بار اپنا ایک ہی راگ الاپتے رہیں، تو اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ فہمِ سلیم کی نعمت سے محروم ہیں۔

چنانچہ سلفی صاحب نے ماہنامہ حق چار یار، جنوری ۲۰۲۳ء کے صفحہ نمبر ۳۹ پر ہی ایک مرتبہ پھر اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ:

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ائمہ اربعہ، یا محدثینِ صحاحِ ستہ کے فرامین وروایات میں اگر لفظِ

''شیعہ'' کے تحت کوئی طبقہ لایا گیا تھا، تو وہ اثنا عشری رافضی نہیں ہیں''

سلفی خائن صاحب کو امام ابوحنیفہ، ائمۂ اربعہ، اور محدثینِ عظام رحمہم اللہ کے اوپر بہتان باندھتے ہوئے بھی شرم وجھجک لاحق نہ ہوئی، حالانکہ اولاً تو ان حضراتِ گرامی نے ''شیعہ'' کے بجائے ''روافض'' یا ''رافضہ'' بلکہ بعض نے ''امامیہ'' کے الفاظ کی قید لگا کر حکم بیان کیا ہے، جس میں اثنا عشری بھی داخل ہیں۔

دوسرے سلفی صاحب مذکورہ ائمہ وفقہاء اور محدثین حضرات کے علی الرغم ''رافضہ'' کے بجائے ''علی الاطلاق شیعہ کی تکفیر'' کے مدعی ہیں، اور ان کو دراصل اس مطلق شیعہ کی تکفیر سے اتفاق نہ کرنے پر ہی اختلاف ہے، اور ان کی ساری جدوجہد اسی اطلاق پر زور لگانے کے درمیان دائر ہے۔

تیسرے سلفی صاحب اثنا عشریہ کے مذہب کی تاریخ سے بھی نابلد ہیں، جیسا کہ باحوالہ پہلے گذرا۔

چوتھے اگر بالفرض بالفرض کوئی فرقہ پہلے وجود میں آ گیا ہو، جس پر سلف ائمہ ومجتہدین کی طرف سے کسی مخصوص حکم کی تصریح موجود ہو، اور اس کے مذہب کی تفصیلات مابعد کے زمانوں میں باقاعدہ کتب میں مدون ومنضبط کی گئی ہوں، تو ایسی صورت میں یہ دعویٰ کوئی بھی وزن نہیں رکھتا کہ یہ فرقہ تو بعد میں وجود میں آیا، اس لئے ہم سلف ائمہ ومجتہدین کی طرف سے اس مخصوص حکم کی تصریح کا اس فرقہ کو مصداق نہیں مانتے''

ایسی صورت میں رافضہ کی کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے، خوارج، معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، جبریہ، اور دوسرے بہت سے اہلِ اہواء فرقوں کے بارے میں بھی یہی موقف اختیار کرنا لازم آئے گا، اور پھر کسی بھی امام ومجتہد کی تقلید کے بجائے ''سلفی صاحب'' کو غیر مقلدوں کی طرح کا سلفی بننا پڑے گا، بصورتِ دیگر ائمہ اربعہ کے فقہ کو از سرِ نو ترتیب دینا پڑے گا، یا پھر کم از کم تقلید کے تقیہ کی چادر کو اتارنا ضروری ہوگا۔

چنانچہ حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ''طائفہ منصورہ'' میں لکھتے ہیں:

> بہت سے ایسے حضرات بھی ہیں، جو مذہباً معتزلی تھے، مگر علمِ حدیث کی خدمت کی وجہ سے محدثین کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں، مثلاً ابو سعد اسماعیل بن علی السمان

(المتوفیٰ ۴۴۵ھ)جو الحافظ الکبیر اور المتقن تھے(طائفہ منصورہ ص۴۲،معتزلی،مکتبہ: صفدریہ گوجرانوالہ،طبع ہشتم ۲۰۱۰ء)

ابوسعد اسماعیل بن علی السمان کو بعض حضرات نے ''معتزلہ کا امام'' قرار دیا ہے،اور یہ امام ابوحنیفہ اور ائمہ اربعہ کے بہت بعد، بلکہ صحاحِ ستہ کے مصنفین کے بھی بعد میں ہوئے ہیں،لیکن اس کے باوجود ان کو بلامدافعت قرائت،حدیث ورجال کا امام تک قرار دیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:لسان المیزان، ج۲،ص ۱۵۰،من اسمه اسماعیل)

اوران کو ابو ہاشم جبائی (المتوفیٰ:321ھ)کے مذہب کا متبع قرار دیا گیا ہے، جو''بہشمیہ'' جماعت کے رأس ہیں۔یہ بھی امام ابوحنیفہ ودیگر ائمہ مجتہدین کے بعد ہوے ہیں۔

(ملاحظہ ہو:الوافی بالوفیات، ج۹، ص ۹۴،وسیر أعلام النبلاء،ج۱۵،ص ۶۳)

اوراگر معتزلہ کے تفصیلی زائغانہ عقائد کا جائزہ لیا جائے،تو شاید سلفی صاحب ان پر بھی شیعہ ورافضہ کی طرح،امام ابوحنیفہ ودیگر ائمہ ومجتہدین کی تصریحات کو نظرانداز کرکے تکفیر کا حکم لگانے سے باز نہ آئیں۔

(ملاحظہ ہو:الوافی بالوفیات، ج۷،ص ۳۷۳)

پانچویں امام ابوحنیفہ،ودیگر ائمہ ومجتہدین کے بعد،اور سلفی صاحب کے بقول''مخصوص اثنا عشری کے وجود،اور ان کے مذہب کے مدون ہونے کے بعد ان کی طرف منتسب جمہور مجتہدین ومقلدین روافض کے بارے میں وہی حکم بیان فرماتے رہے،جو ائمہ ومجتہدین نے صدیوں پہلے بیان کیا۔

اوراسی وجہ سے سلفی صاحب نے اس کے بعد اگلے صفحہ پر،یعنی اپنے مضمون کی قسط نمبر۴ کے آخری صفحہ پر یہ عجیب وغریب اور مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہے کہ:

''پیشِ نظر رہے کہ علمائے امت نے اثنا عشریوں کے کفریہ عقائد کی مکمل جانچ پڑتال کرنے کے بعد ان پر فتویٰ کفر دیا ہے،کیونکہ فتویٰ عقائد پر ہوتا ہے، نیز فتویٰ ہمیشہ اجمال پر ہوتا ہے، تفصیل پر نہیں''(ماہنامہ حق چاریار جنوری۲۰۲۳ء کے صفحہ نمبر۴۰)

ہم اولاً تو ادب کے ساتھ ان علمائے امت کے اس فتوے کو راجح نہیں سمجھتے،جو جمہور سلف ائمہ ومجتہدین کے خلاف ہو۔

دوسرے ''اثناعشریہ'' دراصل ''رافضہ'' میں داخل ہیں۔

تیسرے سلفی صاحب کا دعویٰ ''علی الاطلاق شیعہ کی تکفیر'' کا ہے۔

چوتھے اس بات پر سینکڑوں حوالہ جات موجود ہیں کہ جمہور سلف ائمہ ومجتہدین نے ''رافضہ'' کے متعلق جس حکم کی تصریح کی ہے، وہ ''رافضہ کے عقائد کی مکمل جانچ پڑتال کرنے کے بعد'' کی ہے۔

پانچویں جمہور سلف ائمہ ومجتہدین اور ان کے متبعین کا فتویٰ عقائد پر ہی ہے، اور اجمال کے بجائے تفصیل پر مبنی ہے، جبکہ شیعہ کی علی الاطلاق تکفیر کرنے والے حضرات کے فتوے میں یہ امور کماحقہٗ ملحوظ نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے کہ انہوں نے رافضہ واثناعشریہ کی قید لگائے بغیر اصولی حکم بیان کیا ہے، جس میں عقائد پر ہی مدار رکھا گیا ہے۔

چنانچہ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان کے موجودہ صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم وغیرہ کی اس سلسلہ میں تصریحات پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔ (جاری ہے.....)

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

حضرت مدنی اور''مسح علی الجوربین''

سوال:

آپ سے ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے، جو یہ ہے کہ ہمارے اکثر علماء تو یہی کہتے ہیں کہ وضو کے دوران ''جرابوں'' پر مسح کرنا جائز نہیں، لیکن ہم نے بعض علماء سے سنا کہ حدیث کی کتاب ''ترمذی'' میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی جرابوں پر مسح جائز ہونے کا ذکر ہے، اور دیوبند سلسلہ کے ایک بڑے عالمِ دین مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ، بھی جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے، جب اس بارے میں دوسرے علماء سے سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا کہ جرابوں پر مسح کرنا اجماع کے خلاف ہے، اور حضرت مدنی سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اور اگر ملتا بھی ہو، تو وہ اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

امید ہے کہ حوالہ کے ساتھ جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

عبدالرب، چاہ سلطان، راولپنڈی

جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا پہلا قول یہی تھا کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے پہلے اس سے رجوع فرمالیا تھا، جس کا بہت سے اصحابِ علم نے ذکر کیا ہے، اور ''سنن الترمذی'' کے بعض نسخوں میں بھی اس کا ذکر ہے، البتہ بعض نسخوں میں اس کا ذکر نہیں، تاہم جرابوں پر مسح کا جواز بعض صحابہ وفقہائے کرام سے ثابت ہے، وہ الگ بات ہے کہ فقہائے کرام میں سے کس کس کے نزدیک، کس طرح اور کس وصف کی جرابوں پر مسح جائز ہے؟

امام ابوداؤد (المتوفیٰ: 275ہجری) ''سنن ابی داود'' میں فرماتے ہیں کہ:

وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ، وَابْنُ مَسْعُوْدٍ، وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، وَأَبُوْ أُمَامَةَ، وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَعَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ وَرُوِيَ ذٰلِكَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ (سنن أبی داود، تحت رقم الحدیث ۱۵۹، کتاب الطهارة، باب المسح علی الجوربین)

ترجمہ: اورحضرت علی بن ابی طالب، ابومسعود، براء بن عازب، انس بن مالک، ابوامامہ، سہل بن سعد اور عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم نے جرابوں پر مسح کیا ہے، اور عمر بن خطاب اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی جرابوں پر مسح کرنا مروی ہے (ابوداؤد)

''سننُ الترمذی'' کے جن نسخوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رجوع کا ذکر ہے، اس کی تفصیلی عبارت اس طرح ہے:

عن المغيرة بن شعبة، قال: توضأ النبی صلى الله عليه وسلم ومسح على الجوربين والنعلين.

قال ابوعيسىٰ: هذا حديث حسن صحيح، وهو قول غير واحد من أهل العلم، وبه يقول سفيان الثوری، وابن المبارک، والشافعی، وأحمد، وإسحاق، قالوا: يمسح على الجوربين وإن لم تكن نعلين إذا كانا ثخينين "(قال) وفی الباب عن أبی موسى. قال ابوعيسىٰ: سمعت صالح بن محمد الترمذی قال: سمعت أبا مقاتل السمرقندی يقول: دخلت على أبی حنيفة فی مرضه الذی مات فيه فدعا بماء فتوضأ وعليه جوربان فمسح عليهما، ثم قال: فعلت اليوم شيئا لم أكن أفعله مسحت على الجوربين وهما غير منعلين (سنن الترمذی، ج ۱ ص۱۶۷ الی ۱۶۹، رقم الحدیث ۹۹، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والنعلین، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابی الحلبی – مصر، الطبعة: الثانية، 1395هـ – 1975م)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، اور جرابوں پر، اور نعلین (یعنی جوتوں پر) پر مسح کیا۔

ابوعیسیٰ (یعنی امام ترمذی) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور کئی اہلِ علم حضرات کا یہی قول ہے، اور یہی سفیان ثوری، اور ابنِ مبارک اور امام شافعی اور امام احمد، اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے، جن کا فرمانا یہ ہے کہ جرابوں پر مسح کرلیا جائے گا، اگرچہ وہ منعل (یعنی چمڑا چڑھی ہوئی) نہ ہوں، بشرطیکہ وہ ''ثخین'' (یعنی موٹی) ہوں۔

ابوعیسیٰ (یعنی امام ترمذی) نے فرمایا کہ اس باب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی سند سے بھی حدیث مروی ہے۔ اور میں نے صالح بن محمد ترمذی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں

نے ابومقاتل سمرقندی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس، اس بیماری کی حالت میں حاضر ہوا، جس میں ان کی وفات ہوئی، تو انہوں نے پانی منگوایا، پھر وضو کیا، اور اس وقت آپ نے جرابیں پہن رکھی تھیں، پھر ان (جرابوں) پر مسح کیا، پھر فرمایا کہ میں نے آج ایسا کام کیا ہے، جو میں پہلے نہیں کرتا تھا، میں نے غیر منعل (یعنی چمڑا چڑھی بغیر) جرابوں پر مسح کیا ہے (ترمذی)

ابومقاتل سمرقندی کی مذکورہ روایت کا ''سنن الترمذی'' کے بعض نسخوں میں ذکر ہے، اور بعض میں ذکر نہیں (ملاحظہ ہو: حاشیۃ سنن الترمذی، لاحمد شاکر وشعیب الارنؤوط)

لیکن اس سے مسئلہ پر فرق نہیں پڑتا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رجوع کو بہت سے دیگر محققین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علامہ مغلطائی حنفی (المتوفیٰ:762ھ) نے ''سننِ ابنِ ماجہ'' کی شرح میں ''سنن الترمذی'' کے حوالہ سے، ابومقاتل سمرقندی کی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:شرح سنن ابنِ ماجه ، كتاب الطهارة، باب المسح على الجوربين والنّعلين)

اور محمد بن محمد رضی الدین رضوی ''المحیط'' میں فرماتے ہیں کہ:

ولا يجوز على الجوربين ، الا اذا كانا مجلدين او منعلين، عند ابى حنيفة، وعندهما يجوز، اذا كانا ثخينين غير منعلين كالجورب من الصوف. وروى عن ابى حنفية انه رجع الىٰ قولهما. وعليه الفتوى. لما روى عشر من الصحابة مثل قولهما. ولان الحاجة داعية الى لبسه ، والمشقة لاحقة فى نزعه، فيجوز المسح عليه ، كما لو كان منعلا اومجلدا. له ان المسح شرع تخفيفا للمسافر ولاحتياجه الى المشى ، ولا يمشى عليه بدون النعل ، فلايلحقه الحرج فى النزع (المحيط الرضوى، ج ۱ ص ۲۴، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين والجبائر)

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جوربین پر مسح جائز نہیں، مگر یہ کہ وہ مجلد، یا منعل ہوں، اور امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ جرابوں پر مسح جائز ہے، جبکہ وہ ''ثخین'' ہوں، اگرچہ منعل نہ ہوں، جیسا کہ اونی جراب (کہ اس پر مسح جائز ہے)

اور امام ابوحنیفہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے امام ابویوسف اور امام محمد کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

کیونکہ دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کے مطابق (جرابوں پر مسح کرنا) مروی ہے۔ اور ایک دلیل یہ ہے کہ جرابوں کے پہننے کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان کے اتارنے میں مشقت لاحق ہوتی ہے، لہٰذا ان پر اسی طرح مسح جائز ہے، جس طرح مجلد، یا منعل ہونے کی صورت میں جرابوں پر مسح، جائز ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ (کے پہلے قول) کی دلیل یہ ہے کہ مسح، مسافر کی سہولت اور اس کو پہن کر چلنے کی ضرورت کی وجہ سے مشروع ہے، اور ان جرابوں کو بغیر جوتوں کے پہن کر نہیں چلا جاتا، لہٰذا ان کے اتارنے میں حرج لاحق نہیں ہوتا (المحیط الرضوی)

علامہ بدرالدین عینی حنفی (المتوفی:855ھ) نے بھی امام طحاوی کی ''شرح معانی الآثار'' کی شرح ''نخبُ الأفکار'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رجوع کا ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، ج٢ ص ٢٩٩، كتاب الطهارة، باب: المسح على النعلين)

پھر اسی ضمن میں علامہ بدرُالدین عینی نے فرمایا کہ:

وقال ابن حزم في "المحلى": "والعجب من الحنفيين والشافعيين والمالكيين يشنعون ويعظمون مخالفة الصاحب إذا وافق تقليدهم، وهم قد خالفوا ها هنا أحد عشر صحابيا لا مخالف لهم من الصحابة، ممن يجيز المسح، منهم: عمر، وابنه، وعلي، وابن مسعود؛ فخالفوا السنة الثابتة عن رسول الله – عليه السلام – والقياس بلا معنى.

قلت: هذا تشنيع ساقط وكلام واه؛ فالحنفيون ما خالفوا ها هنا أحدا من الصحابة، بل مذهبهم جميعا جواز المسح على الجوربين، وما روي عن أبي حنيفة في المنع فقد صح رجوعه عنه كما صرح به الترمذي في جامعه (نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار لبدر الدين العيني، ج٢ ص ٣٠١، ٣٠٢، كتاب الطهارة، باب المسح على النعلين)

ترجمہ: اور علامہ ابنِ حزم نے ''المحلیٰ'' میں حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے جرابوں پر مسح کے بارے میں دس ایسے صحابۂ کرام کی مخالفت کی ہے کہ صحابۂ کرام میں سے ان کا کوئی مخالف ظاہر نہیں ہوا، اسی کے ساتھ ان مذکورہ حضراتِ گرامی نے جرابوں پر مسح سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی بھی

مخالفت کی، اور بلاوجہ قیاس کی بھی مخالفت کی۔

(علامہ عینی فرماتے ہیں کہ) میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ علامہ ابنِ حزم کا یہ تعجب اچھا نہیں ہے، اور نا قابلِ اعتبار ہے، کیونکہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں کسی صحابی کی مخالفت نہیں کی، بلکہ ان تمام حضرات کا مذہب جرابوں پر مسح جائز ہونے کا ہے، اور امام ابوحنیفہ سے جو جرابوں پر مسح کی ممانعت مروی ہے، تو ان سے اس کا رجوع ثابت ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے اس کی تصریح کی ہے (نخب الافکار)

اور امام نووی شافعی (المتوفیٰ:676ھ) نے ''المجموع شرحُ المهذب '' میں فرمایا کہ:

وحكى أصحابنا عن عمر وعلى رضى الله عنهما جواز المسح على الجورب وإن كان رقيقا .وحكوه عن أبى يوسف ومحمد واسحق وداود. وعن أبى حنيفة المنع مطلقا وعنه أنه رجع إلى الإباحة (المجموع شرح المهذب، ج ۱، ص ۵۰۰، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين)

ترجمہ: اور ہمارے اصحاب نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا قول جراب پر مسح کے جائز ہونے کا نقل کیا ہے، اگر چہ وہ رقیق (یعنی پتلی) ہو۔

اور ہمارے اصحاب نے امام ابو یوسف، امام محمد، اسحاق اور داؤد کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ سے جرابوں پر مسح کا مطلقاً ممنوع ہونا مروی ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں (جرابوں پر مسح کی) اجازت کی طرف رجوع بھی مروی ہے (المجموع)

ابوالحسن ابنِ قطان (المتوفیٰ:628ہجری) ''الإقناع فى مسائل الإجماع'' میں فرماتے ہیں کہ:

وأجمع الجميع أن الجوربين إذا لم يكونا كثيفين لم يجز المسح عليهما (الإقناع فى مسائل الإجماع، ج ۱، ص ۹۰، كتاب الطهارة، أبواب الإجماع فى المسح على الخفين، رقم المسألة ۳۹۲)

ترجمہ: اور تمام حضرات کا اس بات پر اجماع ہے کہ جرابیں جب کثیف نہ ہوں، تو ان پر مسح جائز نہیں (الاقناع)

البتہ اس بارے میں فقہاء وعلماء کی آراء مختلف ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز ہونے کے لئے کس طرح کی ''کثافت'' کا پایا جانا ضروری ہے، بہت سے حضرات تو اس کے لئے سخت شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جس جراب سے ٹخنوں تک پاؤں کی جلد اس

طرح چھپ جائے، جس طرح نماز صحیح ہونے کے لئے کپڑے کا ستر چھپانا ضروری ہے، یعنی جراب پہن کر پاؤں کی کھال نظر نہ آ رہی ہو، اور اس کو پہن کر چلنا پھرنا ممکن ہو، اس پر مسح کرنا جائز ہے، اور ان کے نزدیک یہی چیز ''ثخین'' اور ''موٹا'' ہونے کی شرط پائے جانے کے لئے کافی ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ سے بھی اسی قول کے مطابق ''جرابوں پر مسح'' کا جواز ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ (سابق سرپرست: وفاق المدارس العربیہ، پاکستان، اور سابق صدر: جامعہ دارُالعلوم کراچی) فرماتے ہیں:

> قرآن کریم میں اصل حکم وضو کے لیے پاؤں دھونے کا ہے، لہٰذا اصل حکم ٹخنوں تک پاؤں کو دھونا ہے، لیکن پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ میں یہ حکم آ گیا کہ خفین (چمڑے کے موزوں) پر مسح بھی جائز ہے، اور ''خف'' اس زمانے میں چمڑے کے ہوتے تھے، لہٰذا چمڑے کے موزوں پر مسح بھی جائز ہے کہ ایک مرتبہ وضو کر کے آپ نے چمڑے کے موزے پہن لیے، تو چوبیس گھنٹے تک ہر وضو میں انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان پر مسح کافی ہے، چوبیس گھنٹے کے بعد موزے اتار کر وضو میں پاؤں دھو لیں اور پھر موزے پہن لیں، مسافر کے لیے تین دن تین رات تک ایسا کرنا جائز ہے۔ صورتِ حال یوں ہو گئی کہ وضو میں اصل حکم پاؤں دھونے کا ہے اور احادیثِ متواترہ (یعنی ایسی احادیث جن کو روایت کرنے والے صحابۂ کرام اور ان کے بعد سے اب تک کے لوگ ہر زمانے میں اتنی بڑی تعداد میں رہے ہیں کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا محال ہے) سے پتہ چلا کہ خفین پر مسح بھی جائز ہے، اور یہ بھی پاؤں دھونے کے قائم مقام ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ احادیثِ متواترہ سے جو استثناء نکلا ہے، وہ (خفین) چمڑے کے موزوں کے لیے ہے، کپڑے کی جرابوں کے لیے نہیں، اس لیے جرابوں کا حکم وہی رہے گا، جو پہلے تھا، یعنی اُن پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ محققین فقہاء کا یہی فتویٰ ہے۔

ہمارے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا اس موضوع پر مستقل رسالہ ہے، اور اس میں مفصل دلائل سے اس بات کو واضح اور ثابت کیا

گیا ہے کہ چمڑے کے موزے ہوں، یا چمڑے جیسی کوئی چیز ہو، تو اس پر کرنا جائز ہے، اور اگر وہ چمڑا نہیں ہے، اور چمڑے جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے، بلکہ کپڑا وغیرہ ہے کہ اس میں پانی جذب ہو جاتا ہے، یا لاسٹک کے بغیر وہ کھڑا نہیں رہتا تو اس پر مسح جائز نہیں۔

اس کے برخلاف بہت سے علماء کا موقف یہ ہے کہ کپڑے کی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے (یعنی جن میں مذکورہ شرائط نہ پائی جائیں) شیخُ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں، میں نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ اس (کپڑے کی جرابوں پر مسح) کو جائز کہتے تھے، بلکہ اُن کا واقعہ جو میں نے اپنے والد ماجد سے سنا، وہ بھی عرض کر دوں، والد صاحب کا فتویٰ تو یہ تھا کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں، چونکہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی والد صاحب ہی تھے، اس لیے دارالعلوم دیوبند سے بھی فتویٰ عدمِ جواز کا جاتا تھا، جبکہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ جو اونچے درجے کے عالم اور محدث تھے، وہ والد صاحب رحمہ اللہ کے اگرچہ استاد تو نہیں تھے، لیکن والد صاحب فرماتے تھے کہ اگرچہ میں نے اُن سے کچھ پڑھا نہیں ہے، لیکن وہ میرے ایسے ہی بڑے اور بزرگ ہیں، جیسے کہ میرا کوئی استاذ ہو، وہ جرابوں پر مسح کو جائز کہتے تھے، اور مسح کرتے بھی تھے۔ والد صاحب رحمہ اللہ نے خود یہ واقعہ سنایا کہ ایک سفر میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ تھا، جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جرابوں پر مسح کیا، جبکہ میں نے پاؤں دھوئے اور جب وضو کر کے فارغ ہوئے، تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ کے نزدیک تو میری نماز نہیں ہوگی، والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں میرے نزدیک آپ کی نماز نہیں ہوگی، اور میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا بھی نہیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی یہ سوچ لیا تھا کہ آج ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

یہ ہمارے بزرگوں کی بزرگانہ باتیں ہیں کہ ایک دوسرے کا احترام بھی بہت کرتے تھے، لیکن شرعی مسئلہ اپنی جگہ ہوتا تھا (غیر مسلم ممالک میں مسلمان کس طرح رہیں، ص:۵۵ تا ۵۸، بعنوان: جرابوں پر مسح، خطاب: مفتی رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ، ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب، مطبوعہ: بیت العلوم، لاہور)

www.idaraghufran.org

ظاہر ہے کہ حضرت مدنی اسی قسم کی جرابوں پر مسح کے جائز ہونے کے قائل تھے، جس میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ و دیگر حضرات کے نزدیک شرائط پوری نہیں تھیں۔

کسی کو حضرت مدنی کے مذکورہ موقف سے اختلاف ہونا ایک الگ چیز ہے، لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے پاس بھی اس مسئلہ کے شرعی و فقہی دلائل یقینی طور پر تھے، ورنہ وہ وضو اور نماز جیسے اہم فریضہ میں غفلت و کوتاہی ہرگز اختیار نہیں فرما سکتے تھے۔

حضرت مدنی کا یہ موقف اجماع کے خلاف نہیں، جس کی تفصیل ہم نے ایک مفصل تالیف میں تحریر کر دی ہے، جس میں اس موقف کے جلیل القدر فقہاء سے ثبوت اور ان کے دلائل پر بھی تفصیلی کلام شامل ہے۔

سرِ دست مختصراً اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جرابوں پر مسح کو جائز قرار دینے والے مجتہدینِ عظام اور فقہائے کرام نے اپنے اپنے اجتہاد کی رُو سے مسح جائز ہونے کے لیے ''جوربین'' کو ''خفین'' کے درجہ میں لانے کے لیے ''جوربین'' میں مختلف تعبیرات و عنوانات کو اختیار فرمایا، لیکن اس بات پر بطورِ قدرِ مشترک تقریباً مذکورہ تمام فقہائے کرام اور ائمہ متبوعین کا اتفاق رہا کہ جرابوں پر مسح جائز ہونے کے لیے ''ثخین و صفیق'' ہونا ضروری ہے۔

اور ''ثخین و صفیق'' کی شرط پوری ہونے کے لئے بعض حضرات کے نزدیک اتنے موٹے کپڑے وغیرہ کی ہونا کافی ہے کہ جس سے سترِ عورۃ کی شرط پوری جاتی ہو، یعنی کہ ان کو پہن کر پاؤں چھپ جاتے ہوں، اور ان کے باہر سے پاؤں کی کھال کا رنگ نظر نہ آتا ہو، اور اتنی مضبوط ہوں کہ ان کو پہن کر چلنا پھرنا ممکن ہو۔

مذکورہ وصف پائے جانے پر ان کے نزدیک یہ جراب ثخین و صفیق و کثیف کا حکم حاصل کر لیتی ہے، جس پر مسح کے جواز کا حکم مبنی ہے، اور ان حضرات کے نزدیک خفین پر مسح کے جواز کا اجماعی اور متفق علیہ وصفِ مؤثر یہی ہے، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا مذکورہ موقف ان فقہائے کرام کے قول پر ہی مبنی ہے۔

اور یہ بات طے ہے کہ اس قسم کے اوصاف و شرائط میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف، ایک اجتہادی و

فروعی نوعیت کا مسئلہ ہے، جس کی کوئی جانب فی نفسہٖ منکر، اور اس کا قائل قابلِ ملامت شمار نہیں ہوا کرتا، جب تک امت کے قابلِ حجت اجماع سے خارج ہونا لازم نہ آئے۔

اور اس طرح کے مسائل میں دلائل کے پیشِ نظر راجح، مرجوح اور صواب وخطاء کے اعتبار سے کلام کی بھی گنجائش موجود اور باقی رہا کرتی ہے، تاہم ایک دوسرے پر طعن وتشنیع اور زبان درازی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

اس قسم کے اور بھی کئی مسائل ہیں، جن میں علماء واکابر کے درمیان اختلاف رونما ہوا، لیکن ایک دوسرے کے خلاف طعن وتشنیع کو جگہ نہیں دی گئی، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ودیگر اکابر نے بھی حضرت مدنی رحمہ اللہ پر نکیر نہیں کی۔ فقط

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان خان۔ مورخہ: 02/ ربیع الاول/ 1445 ہجری۔ 19/ ستمبر/ 2019ء، بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط92 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

بنی اسرائیل اور ''ذبحِ بقرہ'' کا واقعہ (دوسرا حصہ)

مگر بنی اسرائیل نے اس پر بھی اکتفاء نہیں کیا، اور کہا کہ ہماری سمجھ میں پوری طرح بات نہیں آئی، لہٰذا آپ ہمارے لیے اپنے ربّ سے درخواست کیجیے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟

جس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہو، جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کردے۔ [1]

لیکن بنی اسرائیل کو اس پر بھی تشفی نہیں ہوئی اور پھر سوال کیا کہ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے درخواست کیجیے کہ اس (گائے) کے اوصاف کیا کیا ہوں؟ کیونکہ یہ گائے (ابھی تک) ہم پر مشتبہ ہے، اور ہم (اس مرتبہ) ان شاءاللہ ٹھیک سمجھ جائیں گے۔ [2]

---

[1] قوله: (صفراء) جمهور المفسرين أنها صفراء اللون، من الصفرة المعروفة .قال مكي عن بعضهم: حتى القرن والظلف .وقال الحسن وابن جبير: كانت صفراء القرن والظلف فقط .وعن الحسن أيضا: "صفراء "معناه سوداء، قال الشاعر:تلك خيلي منه وتلك ركابي ...... هن صفر أولادها كالزبيب

قلت: والأول أصح لأنه الظاهر، وهذا شاذ لا يستعمل مجازا إلا في الإبل، قال الله تعالى: "كأنه جمالت صفر "وذلك أن السود من الإبل سوادها صفرة .ولو أراد السواد لما أكده بالفقوع، وذلك نعت مختص بالصفرة، وليس يوصف السواد بذلك تقول العرب: أسود حالك وحلكوك وحلكوك، ودجوجي وغربيب، وأحمر قانء، وأبيض ناصع ولهق ولهاق ويقق، وأخضر ناضر، وأصفر فاقع، هكذا نص نقلة اللغة عن العرب(تفسير القرطبي، ج ۱ ص ۴۵۰، سورة البقرة)

[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ اگر بنی اسرائیل آخری مرتبہ ''ان شاءاللہ'' نہ کہتے، تو اُنہیں کبھی پتہ نہ چلتا، یعنی اس کلمہ کی برکت سے ان کا تردُّد اور تذبذب دُور ہوا۔

نیز اگر بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کا حکم آنے کے بعد چوں چرا کیے بغیر کوئی بھی گائے ذبح کردیتے تو مقصد حاصل ہوجاتا، لیکن اُن کے فضول سوالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس گائے کے بارے میں قیود آئیں، اور معاملہ سختی کی طرف چلا گیا۔

فلما علم القوم ان ذبح البقرة عزم من الله عز وجل وكان حصول المقصود من ذبح البقرة مستبعدا عندهم وزعموا انها بقرة عظيمة الشأن فاستوصفوها ولم يكن ذلك الا لفرط حماقتهم قال رسول الله صلى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں وہ ایسی گائے ہو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾علیه وسلم لو ذبحوا ای بقرة أرادوا لاجزتهم ولكنهم شددوا على أنفسهم فشدد الله عليهم(التفسير المظهری، ج ا ص ۸۰، سورة البقرة)

واحتج بـه أصحابنا على ان الحوادث بارادة الله تعالى والمعتزلة والكرامية على حدوث الارادة وأجيب بأن التعليق باعتبار التعلق قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو لم يستثنوا لما بينت لهم اخر الابد– رواه البغوی عن ابی هريرة وأخرجه ابن جرير معضلا(التفسير المظهری، ج ا ص ۸۳، سورة البقرة)

حدثنا أحمد بن يحيى الأودی الصوفی ثنا أبو سعيد أحمد بن داود الحداد، ثنا سرور بن المغيرة الواسطی ابن أخی منصور بن زاذان عن عباد بن منصور عن الحسن عن أبی رافع عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لولا أن بنی إسرائيل استثنوا فقالوا: وإنا إن شاء الله لمهتدون، ما أعطوا، ولكن استثنوا (تفسير ابن ابی حاتم ، ج ا ص ۱۴۱ ، رقم الرواية ۷۲۲، سورة البقرة)

ورواه الحافظ أبو بكر بن مردويه فی تفسيره من وجه آخر، عن سرور بن المغيرة، عن زاذان، عن عباد بن منصور، عن الحسن، عن حديث أبی رافع، عن أبی هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لولا أن بنی إسرائيل قالوا:"وإنا إن شاء الله لمهتدون"ما أعطوا أبدا، ولو أنهم اعترضوا بقرة من البقر فذبحوا لأجزأت عنهم، ولكنهم شددوا، فشدد الله عليهم (تفسير ابنِ كثير ، ج ا ص ۳۰۰،سورة البقرة)

قال ابن كثير:وهذا حديث غريب من هذا الوجه، وأحسن أحواله أن يكون من كلام أبی هريرة، كما تقدم مثله عن السدی، والله أعلم(تفسير ابنِ كثير ، ج ا ص ۳۰۰،سورة البقرة)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلاضرورت سوالات کرنے کو پسند نہیں فرمایا، اور اس سے منع فرمایا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوْا، فَقَالَ رَجُلٌ : أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ قُلْتُ : نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ، ثُمَّ قَالَ : ذَرُوْنِیْ مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ (مسلم،رقم الحديث ۱۳۳۷ "۴۱۲"كتاب الحج)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، لہٰذا تم حج کرو، تو ایک آدمی نے کہا کہ کیا اے اللہ کے رسول! ہر سال؟ (حج فرض کر دیا گیا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی، یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ یہی سوال دھرایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (اللہ کے حکم سے) ہر سال حج فرض ہو جاتا اور پھر تم کو اس (کو نبھانے) کی استطاعت (وقدرت) نہ ہوتی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز سے میں تم کو چھوڑ دوں (یعنی جس چیز کے بارے میں کوئی حکم نہ دوں) اس سے تم بھی مجھے چھوڑ دو (یعنی تم بھی ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کرو) کیونکہ بس تم سے پہلے لوگ کثرت سے سوال کرنے اور نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں، پس جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں، تو اس پر اپنی استطاعت (وقدرت) کے مطابق عمل کرو، اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو (مسلم)

کہ نہ تو ہَل میں چلی ہوئی ہو، جس سے زمین جوتی جائے اور نہ کھیتی کو پانی دیا جائے، سالم ہو، اس میں کوئی داغ نہ ہو، یعنی وہ گائے زمین کو جوتنے اور کھیتی کو پانی دینے کے لیے کام اور محنت میں استعمال نہ کی گئی ہو، اور اُس میں تیز زرد رنگ کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کا نشان اور داغ نہ ہو، اور جسمانی طور پر صحیح سالم اور بے عیب ہو مثلاً لنگڑی، کانی، اندھی وغیرہ نہ ہو۔ [1]

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس گائے کی مزید صفات بیان کر دیں، اور کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، تو پھر ان لوگوں نے کہا کہ اب آپ نے حق (یعنی پوری اور سچ) بات فرمائی، حالانکہ بنی اسرائیل کا یہ جملہ بھی گستاخانہ اور بے باکانہ تھا، کیونکہ حق و سچ اور ٹھیک ٹھیک بات تو ان کو پہلی مرتبہ ہی بتلا دی گئی تھی۔

قرآن مجید میں اس بنی اسرائیل کی اس کٹ حجتی، اور موسیٰ علیہ السلام کے جوابات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً. قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا. قَالَ اَعُوْذُبِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ.قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا ھِیَ. قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِکْرٌ . عَوَانٌ م بَیْنَ ذٰلِکَ. فَافْعَلُوْا مَاتُؤْمَرُوْنَ.قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَالَوْنُھَا. قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُھَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ .قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا ھِیَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا . وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَمُھْتَدُوْنَ . قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ . مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیْھَا . قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ . فَذَبَحُوْھَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ. (سورۃ البقرۃ، رقم الآیات ٦٧ الیٰ ٧١)

یعنی ''اور جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے

[1] قال إنه يقول إنها بقرة لا ذلول اى غير مذللة بالعمل تثير الأرض تقلبها للزراعة ولا تسقى الحرث لا زائدة والفعلان صفتا ذلول يعنى لا ذلول مثيرة وساقية مسلمة سلمها الله تعالى من العيوب او أهلها من العمل لا شية فيها اى لون يخالف لون جلدها(التفسير المظهرى، ج ١ ص٨٣، سورة البقرة)

کہ تم ایک گائے ذبح کرو، انہوں نے (اس کے جواب میں) کہا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو (حضرت) موسیٰ نے (جواب میں) فرمایا میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ انہوں نے (حضرت موسیٰ کے جواب میں) کہا کہ آپ درخواست کیجیے، ہمارے لیے اپنے ربّ سے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ (حضرت موسیٰ نے) فرمایا وہ گائے ایسی ہو کہ نہ بوڑھی ہو، نہ بہت بچہ ہو، بلکہ ان دونوں کے درمیان (یعنی جوان) ہو، تو اب اس کو پورا کرو، جو تمہیں حکم ملا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ درخواست کیجیے ہمارے لیے اپنے ربّ سے کہ بیان کریں ہمارے لیے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (حضرت موسیٰ نے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہو، جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔ انہوں نے (حضرت موسیٰ کے جواب میں) کہا کہ آپ درخواست کیجیے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتا دے ہم کو کہ اس (گائے) کے اوصاف کیا کیا ہوں؟ کیونکہ یہ گائے (ابھی تک) ہم پر مشتبہ ہے، اور ہم (اس مرتبہ) ان شاء اللہ ٹھیک سمجھ جائیں گے۔ (حضرت موسیٰ نے) فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ تو ہل میں چلی ہوئی ہو، جس سے زمین جوتی جائے اور نہ کھیتی کو پانی دیا جائے، سالم ہو، اس میں کوئی داغ نہ ہو (یہ سُن کر) ان لوگوں نے کہا کہ اب آپ نے حق (یعنی پوری اور سچ) بات فرمائی، پس ان لوگوں نے اس کو ذبح کر دیا، حالانکہ وہ ذبح کرنے والے نہیں تھے"۔

طب وصحت

حکیم مفتی محمد ناصر

سر کے درد کے اسباب اور علاج

سر کا درد تقریباً ہر شخص کو کسی نہ کسی وقت ہوا کرتا ہے، سر کے درد کے بہت سے اسباب ہیں۔

چاروں کیفیات یعنی گرمی، سردی، تری اور خشکی میں سے کسی ایک کیفیت کے حد سے زیادہ ہوجانے کی وجہ سے سر کا درد ہوتا ہے، بعض اوقات نزلے کے بند ہونے سے، اور کبھی دماغ کی کمزوری سے سر کے درد کی شکایت ہوجاتی ہے، بعض اوقات معدے اور آنتوں وغیرہ کے امراض مثلاً بدہضمی، قبض وغیرہ بھی سر کے درد کا سبب ہوتے ہیں، کبھی بخار کی زیادتی سے سر میں درد ہونے لگتا ہے، کبھی نظامِ ہضم کی خرابی کی وجہ سے معدہ کی ریاح اور گیس دماغ کی طرف چڑھ جاتی ہے، جس سے سر میں درد کی شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔

اسی طرح کبھی بسیار خوری، یعنی ضرورت سے زیادہ کھانے سے بھی معدہ متأثر ہوجاتا ہے، جس کے نتیجے میں غذا کا کچھ حصہ ہضم ہوکر براز کی شکل میں جسم سے خارج ہوجاتا ہے، لیکن غیر ہضم شدہ غذا کی گرانی سے سر میں درد ہوجاتا ہے، اس صورتِ حال میں کبھی بلڈ پریشر زیادہ ہوتا ہے اور کبھی بلڈ پریشر لو ہوتا ہے، بلڈ پریشر کی کمی یا زیادتی بھی سر کے درد کا سبب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ غیر معمولی بیداری یا نیند کے فقدان سے بھی سر میں درد ہوجاتا ہے، یا بہت زیادہ محنت سے کمزوری ہوکر برداشت کی قوت کم ہوجاتی ہے، اور سر کا درد ہوسکتا ہے، اسی طرح غم اور فکر یا وساوس بھی بعض اوقات سر کے درد کی تکلیف کا سبب بن جاتے ہیں۔

سر کے درد کی ایک شکل آدھے سر کا درد بھی ہے، اسے دردِ شقیقہ (Migraine) کہا جاتا ہے، آدھے سر میں درد کبھی سر کے دائیں طرف ہوتا ہے، اور کبھی بائیں طرف۔

آدھے سر کا درد بہت شدید ہوتا ہے، جس سے طبیعت سُست اور نڈھال ہوجاتی ہے، سر چکرانے لگتا ہے، اور کنپٹی میں بھی درد ہونے لگتا ہے، جو آہستہ آہستہ بڑھ کر اتنا شدید ہوتا ہے، کہ سر پھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے، اور جب تک مریض سو نہ جائے، اس وقت تک سر کا درد برقرار رہتا ہے، اس کے

بعد جب مریض کو نیند آ جاتی ہے،تو جاگنے کے بعد درد غائب ہو جاتا ہے،اگر مریض آدھے سر کے درد کا مستقل مریض ہو تو ٹھیک ہو جانے کے چند دن بعد یا چند ہفتوں بعد دوبارہ سر کے درد کا دورہ شروع ہو جاتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ سر کے درد کے بہت زیادہ اسباب ہیں،لہٰذا جب بھی سر کا درد ہو،تو درد کے سبب کے مطابق علاج کرنا چاہئے،اور سر کے درد کے علاج میں بغیر سبب کو مدنظر رکھے، علاج کرنا درست طریقہ نہیں ہے۔

اگر سر کا درد گرمی سے ہو تو ٹھنڈے پانی سے نہائیں،اور ٹھنڈی جگہ،جہاں زیادہ روشنی نہ ہو،آنکھیں بند کر کے آرام سے لیٹ جائیں،اور پنسار سٹور سے مہندی کے پتوں کے پاؤڈر کی پانی میں پیسٹ بنا کر پیشانی اور کنپٹیوں پر لگانے سے گرمی کی وجہ سے ہونے والے سر کے درد کو افاقہ ہوتا ہے،اسی طرح گلاب کا عرق پانچ حصہ میں ایک حصہ سرکہ ملا کر کپڑے کی گدی بھگو کر پیشانی پر رکھنا،سر کے درد کے لئے نہایت مفید ہے۔

اگر سر کا درد سردی لگنے سے ہو تو گرم جگہ پر لیٹ جائیں،جہاں سرد ہوا کے جھونکے نہ لگیں،اور گرم گرم دودھ یا چائے پئیں،اور گندم کے آٹے کی چھان اور نمک برابر وزن ملا کر ایک باریک کپڑے میں پوٹلی باندھیں،اور اس کو توے پر گرم کر کے پیشانی اور کنپٹیوں کو سینکیں،سردی لگنے سے ہونے والے سر کے درد کے لئے یہ تدبیر فائدہ مند ہے۔

اگر بدہضمی کی وجہ سے سر کا درد ہو تو ایک دو وقت کھانے کا افاقہ کرنا چاہئے۔

دماغ کے کمزور ہو جانے کی حالت میں ہونے والے سر کے درد میں گری بادام سات دانے،کالی مرچیں سات دانے،اور برہمی بوٹی 10 گرام،سائے میں خشک کی ہوئی لے کر ان تینوں چیزوں کو پانی میں تھوڑی سی رگڑائی کر کے میٹھا ڈال کر دو ہفتہ تک روزانہ صبح نہار منہ ایک گلاس پینے سے دماغ طاقتور ہوتا ہے،اور سر کے درد سے نجات ملتی ہے،یہ نسخہ پڑھائی کرنے والے بچوں کے لئے بہت مفید ہے۔دائمی سر کے درد کے مریض کو اگر قبض رہتی ہو،تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قبض کا علاج کرے،ایسے مریض کو قبض سے نجات حاصل کیے بغیر سر کے درد سے مستقل افاقہ مشکل ہے۔

اخبارِادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

☐.....7/14/21/28صفرُ المظفر 1445ھ بروز جمعہ متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کے سلسلے حسبِ معمول ہوئے۔

☐.....9/16/23/30صفرُ المظفر 1445ھ، بروز اتوار مدیر صاحب کی اصلاحی مجالس صبح تقریباً ساڑھے دس بجے ادارہ غفران میں منعقد ہوتی رہیں۔

☐.....6/صفرُ المظفر ، بروز جمعرات، بعد مغرب مفتی صاحب مدیر کا پیر حافظ مولانا اقبال قریشی صاحب کی مسجد الشیبی ،مورگاہ میں عالمین حضرات کے اجتماع میں علمی بیان ہوا۔

☐.....19/صفرُ المظفر ، بروز بدھ،ادارہ کے شعبہ حفظ وناظرہ میں سہ ماہی امتحانات منعقد ہوئے، جناب مولانا قاری ریحان صاحب نے ،شعبہ حفظ کا امتحان لیا۔

☐.....20/صفرُ المظفر ، بروز جمعرات، ادارہ کے شعبہ حفظ کے طلبہ کو، ادارہ کی شاخ واقع روات میں برائے سیر وتفریح لے جایا گیا۔

☐.....22/صفرُ المظفر ، بروز ہفتہ، جناب قاری عبدالحفیظ صاحب کے مدرسہ زینت القرآن (پُل شاہ نذر) میں مفتی صاحب مدیر کا جناب طارق صاحب (کوہاٹی بازار) کے برخوردار کے حفظِ قرآن کی تقریب میں بیان ہوا۔

☐.....23/صفرُ المظفر ، بروز اتوار ادارہ میں شعبہ حفظ کے دوطلبہ، حافظ عزیزُ اللہ اور حافظ محمد ہاشم کی تکمیلِ قرآن کے موقع پر دعائیہ تقریب منعقد ہوئی۔

☐.....30/صفرُ المظفر ، بروز اتوار ادارہ میں شعبہ حفظ کے دوطلبہ، حافظ اویس الحق اور حافظ عبدالوہاب کی تکمیلِ قرآن کے موقع پر دعائیہ تقریب منعقد ہوئی، جس میں مفتی صاحب مدیر کا بیان ہوا۔

☐.....4/ربیعُ الاول، بروز جمعرات، ادارہ میں شعبہ حفظ کے طلبہ، حافظ اذن اور حافظ مرتضیٰ کی تکمیلِ قرآن کے موقع پر دعائیہ تقریب منعقد ہوئی۔

☐.....تعمیرِ پاکستان سکول میں یکم ربیع الاول (18/ستمبر) بروز پیر، ایک تربیتی تقریب منعقد ہوئی، جس میں بچوں نے تلاوت، اور نعت میں حصہ لیا، اور ملی نظموں کے ذریعہ وطنِ عزیز سے محبت کا اظہار اور وطنِ عزیز کی تعمیر وترقی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں۔

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 21 شمارہ 03 اکتوبر 2023ء - ربیع الاول 1445ھ